جنوری ۲۰۱۹ء - قیمت: -/10 ₹

ماہنامہ

باغیچہ

لکھنؤ

نیشنل باٹینیکل گارڈن (NBRI)، لکھنؤ

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

دانشوروں اور سرپرستوں سے خطاب

اتر پردیش اردو اکادمی اپنے قیام کے وقت سے ہی صوبہ اور ملک میں اردو کے فروغ کے لیے ہمہ جہتی کوشش کرتی رہی ہے۔ اردو پڑھنے والے طلباء اور نادار یا معذور ادباء وشعراء کے وظائف شعری اور ادبی تقریبات کی مالی معاونت، اردو کمپیوٹر ٹائپ، تعلیم بالغان، آئی۔اے۔ایس، پی۔سی۔ایس کی تیاری کے لیے اسٹڈی سینٹر کی سرپرستی کے ساتھ ہی نایاب اردو کتابوں کی اشاعت اور دور حاضر کے شعراء وادباء کی تخلیقات کی اشاعت میں مالی معاونت اس کے معمول میں ہے۔ ان کے علاوہ اکادمی ایک ماہنامہ بعنوان 'خبر نامہ' اور ایک سہ ماہی مجلّہ بعنوان 'اکادمی' بھی شائع کرتی رہی ہے۔ اب نئی نسل میں اردو زبان و ادب کے ذوق کو پروان چڑھانے کے لیے اکادمی نے ایک ایسے معیاری ماہنامہ 'باغیچہ' کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے، جس کو دلکش بنانے کے لیے پختہ عمر کے قلم کاروں کے ساتھ ہی خاصی تخلیقات بچّوں کی فکر کا نتیجہ ہوں گی۔

ہم آپ جانتے ہیں کہ عمر کے ساتھ آدمی کے شعور اور مشاغل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن اس کی عمر کتنی ہی پختہ کیوں نہ ہو جائے اس کے اندر ایک بچّہ ہر حال میں چھپا رہتا ہے۔ بڑھاپے میں دیگر مصروفیات اور ذمہ داریوں سے فرصت ملنے پر اس بچّہ کو باہر آنے کا موقع ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بوڑھے اپنے فارغ اوقات بچّوں کے ساتھ گزارنا پسند کرتے ہیں اور جو باذوق ہوتے ہیں وہ بچّوں کے لطیف ادب سے اپنی طبیعت بہلاتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے بچّوں کے اس جریدہ کو 'باغیچہ' نام دیا ہے اور اس کو آٹھ سے اسّی برس عمر کے بچّوں کے لیے وقف کیا ہے۔ ہم نے اس ادبی باغیچے کی آبیاری اور نگہداشت کی ذمہ داری ستر برس سے تجاوز کر چکے لیکن جوانوں سے زیادہ فعال اردو کے شیدائی ایک سائنسداں ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی کے سپرد کی ہے جنھوں نے گزشتہ بارہ برس کے وقفہ میں بڑوں کے لیے کئی انوکھی کتابیں، کئی درجن مضامین، تبصرے اور بچّوں کے لیے تعلیمی تاش شائع کرانے کے علاوہ گزشتہ دس برس سے ہر ماہ دلّی اردو اکادمی سے شائع ہونے والے بچّوں کے ماہنامہ 'امنگ' میں 'دماغی ورزش' عنوان کے تحت ہندوستان کی تاریخ، جغرافیہ اور تمدن سے متعلق دس دس پہیلیوں کے سیٹ اور 'ادبی دماغی ورزش' عنوان سے قدیم شعراء کی غزلیات سے منتخب کر دس غیر رومانی اشعار پر مبنی پہیلیاں شائع کرائیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ان کے علاوہ ان کے کم و بیش ایک درجن سائنسی مضامین قومی اردو کاؤنسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) کے ماہنامہ 'بچّوں کی دنیا' میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ وہ اس باغیچہ کی تزئین کاری کس انداز پر کر رہے اس کا اندازہ مشمولات کی فہرست 'باغیچہ کی کیاریاں اور پھلواریاں' سے کیا جا سکتا ہے۔ آپ تمام صاحبان سے درخواست ہے کہ آئندہ نسل میں اردو زبان وادب کی آبیاری کے لیے اور اس باغیچہ کو مزید خوشنما و نافع بنانے کی غرض سے اپنے تاثرات، تجاویز، ادبی مواد اور خود کی تخلیقات ارسال فرما کر نیز ماہنامہ کے سرکولیشن کا دائرہ بڑھا کر اس اہم ملّی کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

(پدم شری پروفیسر آصفہ زمانی)

چیرپرسن یوپی اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ-226010

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

بچوں کا ماہنامہ

باغیچہ

جلد اوّل : شمارہ (۱) جنوری ۲۰۱۹ء

سرپرست : پروفیسر آصفہ زمانی (چیئر پرسن)

ایڈیٹر : ایس۔ رضوان (سکریٹری)

اعزازی ایڈیٹر : ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی

ای میل : dr.sas46@yahoo.in

زرِ سالانہ : ہندوستان: سو (۱۰۰) روپیہ

: دیگر ایشیائی ممالک: تین سو (۳۰۰) روپیہ

: امریکہ، انگلینڈ، آسٹریلیا، جرمنی، فرانس
ساؤتھ افریقہ، فجی، وغیرہ۔

: تیس (۳۰) امریکن ڈالر

قیمت فی شمارہ : دس (۱۰) روپیہ

فون : (0522) 2720683

ای میل : bagheecha.upua@gmail.com

urduakademi@yahoo.in

ویب سائٹ : www.upurduakademi.org

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

سکریٹری، اتر پردیش اردو اکادمی

وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ - 226010

ایس۔ رضوان ایڈیٹر، پرنٹر و پبلیشر نے تنویر ٹیکنو گرافکس، لال باغ، لکھنؤ سے چھپوا کر اکادمی کے دفتر سے شائع کیا۔

باغیچہ کی کیاریاں اور پھلواریاں

باغباں کی بات

ہمارا پیارا دیس بھانت بھانت کی قوموں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا ایک خوشنما باغیچہ ہی تو ہے اور اردو زبان وادب کے باغیچہ کو دلکش بنانے میں مذکورہ تمام صاحبان نے اس قدر مخلصانہ محنت کی ہے کہ اب اس باغیچہ کے حسین گل بُوٹوں کے حُسن اور ان کی خوشبو نے ہندوستان سے نکل کر امریکہ، کناڈا، انگلینڈ، فرانس اور جرمنی سمیت تمام عالم کے ادب نواز افراد کو مبہوت اور مسحور کر رکھا ہے۔ اتر پردیش اردو اکادمی ہندوستان میں قائم لگ بھگ ڈیڑھ درجن اردو اکادمیوں میں سب سے قدیم ہے لیکن یہ صوبہ والوں اور دیگر لوگوں کی محرومی رہی کہ اب تک اس اکادمی کی سرپرستی میں بچّوں کا کوئی ماہنامہ تو کیا کوئی سہ ماہی جریدہ بھی شائع نہ ہوسکا۔ یہ اہم کام بھی خالق کائنات کو ایک خاتون چیرپرسن سے لینا تھا جنھوں نے ''باغیچہ'' نام سے بچّوں کا ماہنامہ شائع کرانے کی ہمّت کی ہے۔

اردو زبان وادب کے اس باغیچہ کو دیدہ زیب اور زیادہ نفع بخش بنانے کے لیے ہم نے جو کیاریاں تیار کی ہیں ان میں بڑی عمر کے قلم کاروں کی نکتہ دانیوں اور جواں سال اہل علم کی جولانیوں کے ساتھ ہی کم عمر باغبانوں کی گل کاریوں کو بھی خاصی اہمیت دی ہے تاکہ آنے والے وقت میں یہ باغباں تمام دنیا میں پھیل کر اسی انداز کے باغیچے وجود میں لانے کی فکر کریں۔ لہذا اہم پختہ عمر والوں کے علاوہ اُن تمام بچّوں سے جو ہماری ہی طرح اردو تے ہیں اور اس کا فروغ چاہتے ہیں یہ التماس کرتے ہیں کہ وہ اس باغیچہ کو خوشنما بنانے کے لیے اپنی نثری وشعری تخلیقات مثلاً خود کی لکھی ہوئی کہانیاں، پہیلیاں، نظمیں، خود کے مرتب کردہ لطیفے، کسی ایسے شخص کی زندگی کے حالات جس کو آپ اس کی خوبیوں کی بناء پر پسند کرتے ہوں، کسی تاریخی مقام، عجائب گھر، ہل اسٹیشن، چڑیا گھر، کارخانہ وغیرہ کی سیر کی تفصیل، خود کی بنائی ہوئی رنگین تصویر، نام وتخلص سمیت کسی شاعر کے دو تین منتخب غیر رومانی اشعار کے علاوہ اپنے علاقہ کے کسی پارک میں کھیلتے ہوئے بچّوں کی تصویر اور اپنے گھرانے یا پڑوسیوں اور عزیزوں کے پانچ سال تک کے بچّوں کے اچھے فوٹو بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک یا بذریعہ ای میل ارسال کریں اور ہم کو اختیار دیں کہ ہم ان میں سے جن چیزوں کو مناسب خیال کریں ان سے اس باغیچہ کو سجائیں، جن دوستوں کی روانہ کردہ کوئی چیز کسی شمارہ میں شائع ہوگی اس کی ایک کاپی ان دوستوں کو پوسٹ کی جائے گی۔ آپ جریدہ میں اشاعت کے لیے جو کچھ ارسال کریں اس کے ساتھ اپنا مکمل نام، عمر، درجہ، اسکول رکالج رمدرسہ کا نام اور موبائل نمبر بھی ضرور تحریر کریں۔ ماہنامہ میں کئی انعامی مقابلے بھی شامل کیے جا رہے ہیں۔ آپ دی گئی ہدایات پڑھ کر ان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں۔ آخر میں ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہر شمارہ کے بارے میں اپنے اور اپنے والدین و دوستوں کے تاثرات بھی روانہ کریں تاکہ ان کی روشنی میں ہم اس باغیچہ کو مزید نفع بخش بنائیں۔

خیر اندیش وخادم اردو —— ایس۔ رضوان

آپ بھی کچھ کہیں

نومبر ۲۰۱۸ء میں اُردو اخبارات میں اتر پردیش اردو اکادمی کی جانب سے ماہنامہ ''باغیچہ'' کے عنقریب شائع ہونے کی خبر شائع کرائی گئی تھی لیکن بعض وجوہ سے خاصی دیر ہوگئی۔ اس دوران کئی بچوں نے مختلف ذرائع سے یاد دہانی کرائی۔ ہم ذیل میں کچھ بچوں کے خطوط شائع کر رہے ہیں اور اُن کو رسالہ کے انتظار سے جو کوفت ہوئی اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ اعزازی ایڈیٹر

محترمی۔ السلام علیکم۔ پچھلے مہینے داداجان کے ذریعہ پتہ چلا تھا کہ لکھنؤ کی اُردو اکیڈمی ایک اچھی میگزین نکالنے جارہی ہے۔ جس میں بچوں کی بنائی ہوئی ڈرائنگ بھی چھپے گی۔ ہم نے داداجان کے ہاتھ اپنی ایک اچھی ڈرائنگ بھیجی تھی۔ وہ ڈرائنگ آپ کو ضرور پسند آئی ہوگی۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ داداجان کے موبائل 8382020558 پر بتائیں کہ باغیچہ میگزین کب تک آرہی ہے۔

ذہیب احمد خاں۔ اسپرنگ ڈیل کالج لکھنؤ

محترم ایڈیٹر صاحب۔ ہم کو جب یہ خبر ملی کہ اُتر پردیش اُردو اکادمی ہم بچوں کے لئے جلد ایک ماہنامہ ''باغیچہ'' نام سے شائع کرنے والی ہے۔ جس میں بچوں کی لکھی ہوئی کہانیاں وغیرہ بھی شائع ہوں گی تو ہم نے ایک کہانی ''نظر'' عنوان سے لکھ کر آپ کی خدمت میں بذریعہ ای میل روانہ کی تھی۔ ڈیڑھ ماہ سے زائد ہوگیا لیکن ابھی تک ''باغیچہ'' دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ براہِ کرم جلد ''باغیچہ'' سے ملاقات کرائیے۔

مرزا شائنہ بیگ درجہ XII، دہلی پبلک اسکول، لکھنؤ۔

ایڈیٹر انکل، تسلیم۔ کئی ہفتہ گزر گئے جب یہ معلوم ہوا تھا کہ ہمارے صوبہ کی اردو اکیڈمی ہم بچوں کے لئے ایک ماہانہ رسالہ ''باغیچہ'' نام سے شائع کرانے والی ہے۔ ہم بتا نہیں سکتے کہ خود ہم کو اور ہماری کلاس کی تمام لڑکیوں کو کس قدر خوشی ہوئی تھی۔ آپ ہم کو زیادہ انتظار نہ کرائیں تو ہم سب پر بڑا احسان ہوگا۔

سارہ ریاض، درجہ ۹، الھدیٰ ماڈل کالج لکھنؤ

جناب ایڈیٹر صاحب ''باغیچہ'' رسالہ۔ ہم کو جس دن سے ابّو نے یہ بتایا کہ لکھنؤ سے بھی بچوں کا ایک اچھا رسالہ باغیچہ شائع ہونے جارہا ہے اس دن سے ہم بار بار ابّو سے تقاضہ کررہے ہیں کہ دوکان پر پتہ کیجئے، رسالہ آیا کہ نہیں لیکن ابھی تک انہوں نے ہماری بے چینی دور نہیں کی اور یہی جواب دیتے ہیں کہ ابھی وہ رسالہ چھپ کر دوکان پر نہیں آیا تو ہم کہاں سے لائیں۔ ہماری آپ سے التجا ہے کہ جلد اُسے شائع کرائیں۔

سمیرہ انس، میاں سرائے، سنبھل

سالار جنگ میوزیم

ڈاکٹر عاکف سنبھلی

ہمارے ملک ہندوستان میں ایسے بہت سے افراد گزرے ہیں جنھوں نے بڑے اہم کارنامے انجام دیئے۔ اور آج بھی ان کا عظیم الشان کلیکشن انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ انہی میں سے ایک عظیم شخصیت حیدرآباد کے سر سالار جنگ کی ہے۔ جنھوں نے اپنے ذوق کے تحت بڑی عجیب وغریب چیزیں اکٹھا کیں۔ اور محض اپنے بل بوتے پر سالارِ جنگ میوزیم کے نام سے وہ عمدہ انتخاب چھوڑا ہے جسے دیکھ کر ناظرین کی آنکھیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔

سالارِ جنگ میوزیم حیدرآباد میں ابوالقاسم نواب میر یوسف علی خان نے قائم کیا۔ جن کی عرفیت سالارِ جنگ تھی۔ یہ حیدرآباد میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے ایک مہینے کے اندر ہی ان کے والد میر لائق علی خاں کا انتقال ہوگیا۔ پرورش کا مسئلہ ہوا تو ان کے چچا نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ مگر چند مہینوں کے اندر ہی وہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ خاندان میں ایسا کوئی نہیں تھا جو آپ کی پرورش اور اگر کی یکھ بھال کر سکتا۔ اس لئے نواب حیدرآباد میر بوب ں ماں نے یوسف علی خاں کی پرورش اور ان کی جاگیر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بال لی اور انکے لئے کورٹ آف وارڈ یعنی ایک سرکاری سرپرست مقرر کیا۔ چونکہ بچپن سے ہی ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا اس لئے بچّے کو بہلانے کے لئے قسم قسم کے کھیل کھلونے فراہم کئے گئے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ بچپن سے ہی انہیں چیزیں اکٹھا کرنے کا شوق ہوگیا۔ اور یہیں سے دراصل سالارِ جنگ میوزیم کی بنیاد رکھی گئی۔ اور آنے والے وقت میں ایک عظیم الشان میوزیم عالم وجود میں آیا جسے دیکھنے کیلئے ہندو بیرونِ ہند سے ہزاروں سیاّح حیدرآباد چلے آتے ہیں۔ سطور ذیل میں اس میوزیم کے چند عجائبات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

کھلونے:۔ سالارِ جنگ میوزیم کے بانی نواب

یوسف علی خاں بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کی طبیعت کو بہلانے کے لئے اور اکیلے پن کو دور کرنے کے لئے ان کے نگراں ملازم عنبر خاں نے قسم قسم کے کھلونے اور دل بہلانے کی چیزیں فراہم کیں۔ یہ شوق آگے بڑے ہوئے پر اور بھی پروان چڑھا۔ اور آپ پھر ذاتی طور پر بھی کھلونے وغیرہ اکٹھے کرنے پر جیب خاص سے روپے خرچ کرنے لگے۔ اس طرح آپ کے میوزیم میں کھلونوں کا انبار لگ گیا۔ یہ کھلونے رنگ برنگ کے عجیب وغریب اور دلکش مناظر پیش کرتے ہیں۔

تصاویر:۔ سالارِ جنگ میوزیم میں اتنی عظیم الشان اور حیرت انگیز تصویریں موجود ہیں جو ناظرین کو محوِ حیرت کر دیتی ہیں۔ اسی میں ایک تصویر ۹ ؍انچ لمبی اور ۶ انچ چوڑی ہے۔ جو کوئلے سے بنائی گئی ہے۔ اس تصویر میں خاصیت یہ ہے کہ ایک شخص کھڑکی کے قریب پلنگ پر لیٹا دکھایا گیا ہے۔ اور روشنی کھڑکی سے آکر اس کے جسم پر پڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن اگر پائتی کی طرف سے دیکھیں تو روشنی جسم کے دوسرے حصے پر پڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ غرض کہ زاویہ نظر بدلنے سے روشنی کی سمت بھی بدل جاتی ہے۔ ایک رنگین تصویر چینی مٹی کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہے۔ یہ تصویر تقریباً ۶ ؍فٹ لمبی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی ہے۔ اس تصویر میں مکان بنے ہوئے ہیں بیچ میں گلی، بجلی کا کھمبہ اور چوراہے پر کھڑے ہوئے کچھ لوگ دکھائے گئے ہیں۔ اس تصویر میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک زاویے سے دیکھیں تو ایک قطار کے مکان نظر آتے ہیں دوسری کے نہیں اور اگر دوسری سمت سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو دوسری سائڈ کے مکان نظر آتے ہیں پہلی قطار کے نہیں۔ ایک اور نہایت دلکش تصویر ہے جس میں ایک عورت نہاتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ اس کی بھیگی ہوئی ساڑی جسم سے چپکی ہوئی ہے اور پانی بدن اور ساڑی سے ٹپک رہا ہے۔ ایک تصویر کسی دوسرے ملک کی ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ جس زاویہ سے بھی دیکھیں ایک حسینہ مسکرا کر دیکھنے والے کا استقبال کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مجسمے:۔ سالار جنگ میوزیم میں بہت سے اعلیٰ و شاندار مجسّمے رکھے ہوئے ہیں۔ جنھیں دیکھ کر ان کو بنانے والوں کے حسنِ کاریگری اور صلاحیتِ فن کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ ان میں اٹلی کے سنگ تراش کا بنایا ہوا سنگ مرمر (Marble) سے تراشا ہوا ایک دوشیزہ کا مجسّمہ ہے جس کا جسم ایک سفید چادر سے ڈھکا ہوا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ چادر والا پتھر اس قدر نفیس و مہین ہے کہ اس سے نازنین کا جسم صاف نظر آتا ہے۔ دوشیزہ کا جھلکتا ہوا جسم اور اس پر پڑی سنگی چادر کی سلوٹیں ناظرین کو داد و تحسین دینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہاں لکڑی سے تراشا ہوا ایک عجیب وغریب مجسّمہ ہے جسے سامنے اور پیچھے سے تراش کر دو مجسمے بنائے گئے ہیں۔ ایک طرف عورت کا جسم ہے دوسری طرف مرد کا۔ مجسمے کا کمال یہ ہے کہ لکڑی کے ایک ہی ستون سے دونوں جانبوں کے اعضا تراشے ہوئے ہیں اور دونوں ہی اپنی صنف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

گھڑیاں: اس میوزیم میں چند عجیب و غریب گھڑیاں بھی ہیں ایک گھڑی تو اس درجہ حیرت انگیز ہے کہ صرف اسے ہی دیکھنے کے لئے دور، دور سے سیّاح اس میوزیم میں آتے ہیں۔ گھڑی کیا ہے گویا زندہ

طلسمات ہے جو دیکھنے والوں کی توجہ پوری طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ گھڑی اس طرح بنائی گئی ہے کہ جب گھنٹہ بجنے کا وقت ہوتا ہے۔ تو ایک دروازہ کھلتا ہے اوراس سے کھلونے جیسا بونا نکلتا ہے۔ وہ ہتھوڑی اُٹھاتا ہے اور گھڑی کے ڈائل میں لگے ہوئے گھنٹے پر جتنے بجے ہوتے ہیں اتنی ضربیں لگاتا ہے۔ ہتھوڑا رکھ کر پھر اسی دروازے سے واپس چلا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور گھڑیاں بھی ہیں جو اپنے دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔

متفرقات: سالارِ جنگ میوزیم میں یوں تو بہت سی چیزیں موجود ہیں جو انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ ہاتھی دانت کا بنا ہوا بیضوی شکل کا ایک گولا کمال صناعی کے ساتھ تراشا گیا ہے۔ اس کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس گولے کے اندر ایک اور گولا اور پھر اس کے اندر بھی ایک اور گولا دیا گیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ ہاتھی دانت کے یہ تینوں گولے ایک دوسرے کے اندر ہیں اور صاف نظر آتے ہیں اوران پر نفیس پھول پتیاں بھی بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح برما اور انڈونیشیا کے فن کا کمال بانس پر تصویر بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جو دیکھنے والوں کو محوِ حیرت کر دیتا ہے۔ ابوالفضل کی وہ تفسیر قرآن بھی یہاں موجود ہے جو اردوئے معریٰ (بغیر نقطے والے حروف) میں لکھی گئی ہے۔ اسی وجہ سے آج یہ نوادرات کے ساتھ ہی عجائبات کا مقام بھی حاصل کر چکی ہے۔ سالارِ جنگ میوزیم میں ایک ایسا عجیب وغریب اور نادرروزگار شاہکار بھی ہے جو ایک سفید پتھر سے تراشا ہوا انڈے کے برابر ہے۔ جس کا کمال یہ ہے کہ اس میں اندر پانی چھلکتا ہے۔ اوراسے ہلاتے ہوئے بھی پانی صاف طور پر ہلتا ہوا نظر آتا ہے۔ ڈھاکے کی ململ جو اپنے اندر حیرت انگیزی کا درجہ رکھتی ہے۔ اوراس کا ایک تھان انگوٹھی کے اندر سے نکل جاتا ہے۔ یہ بھی آپ کو اس میوزیم میں دیکھنے کو مل جائے گی۔ خشخاش جیسے چھوٹے سے دانے پر پوری سورہ اخلاص لکھی ہوئی ہے جسے دیکھ کر انسانی عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔ یہاں شہنشاہ جہانگیر کی وہ صراحی بھی ہے جو بیش قیمت پھول پنکھڑیوں سے سجی ہونے کی وجہ سے کمال صناعی کا نمونہ ہونے کے ساتھ ہی ایک اور خاصیت کی حامل بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں پانی محض پانچ منٹ کے اندر ہی برف کی طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ ایک اور صراحی ہے۔ جس کا کمال یہ ہے کہ ایک ہی پتھر سے صراحی اس کا ڈھکن اور زنجیریں تراشی گئی ہیں۔ یہ اپنے فن میں کمال بھی ہے اور بے مثال بھی۔

پیارے بچّو! تم [illegible] کہ یہاں صرف وہی چیزیں ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی چیزیں ہیں۔ جن کا ذکر ہم مضمون زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے نہ کر سکے۔ بلکہ مزید حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ وہاں جتنی بھی چیزیں نمائش کے لئے رکھی ہوئی ہیں وہ تو سالار جنگ کے نوادرات وعجائبات کے خزانہ کا صرف ۳۰ فیصد حصہ ہی ہے۔ باقی کا ۷۰ فیصد تو عمارت چھوٹی ہونے کی وجہ سے ابھی تک بند پڑا ہوا ہے۔ انتظار ہے کہ کب حکومت کی جانب سے ان کے لئے مناسب عمارت کا بندوبست ہو اور کب یہ عجائبات عوام کے لئے بہ طور نمائش رکھی جائیں۔

بقول مولانا ابوالکلام آزاد ”سلطنتوں اور حکومتوں کی طاقت اور ذرائع بھی اتنا بڑا کام اس حسن وخوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتی جو سالارِ جنگ تنہا انجام دے گئے۔“

ٹیگور

قیصر سرمست۔ کولکاتہ

بنگال کے ایک امیر گھرانے کے ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کا ایک بہت ہی چہیتا بیٹا تھا۔ باپ کا نام دیبندر ناتھ تھا اور بیٹے کا نام رابندر ناتھ۔ یہ خاندان ''ٹیگور خاندان'' کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ دیبندر ناتھ ٹیگور مذہبی آدمی تھے اور وہ پُرسکون جگہ کی تلاش میں تھے جہاں وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ خدا کی یاد میں منہمک رہ سکیں۔ جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے۔ انھیں ایک ایسی جگہ مل ہی گئی۔ دیبندر ناتھ ٹیگور کا گزر ایک ایسے علاقہ سے ہوا جہاں حدِ نظر تک کھلے میدان اور کھیت تھے۔ انھیں یہ جگہ بہت پسند آئی۔ یہ روایت بھی مشہور ہے کہ یہاں دیبندر ناتھ جی کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔ یہ روایت سچ ہو یا نہ ہو مگر یہ حقیقت تھی کہ اس جگہ خاموشی برستی تھی۔ دیبندر ناتھ اس مقام کی خاموشی اور وہاں کے پُرسکون ماحول سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ چند ایکڑ زمین انھوں نے خرید ڈالی اور اُس کا نام ''شانتی نکیتن'' رکھا۔

۷رمئی ۱۸۶۱ء کا دن ٹیگور خاندان کے لیے بڑا مبارک اور یادگار دن تھا، کیونکہ اسی دن اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہی معصوم سا لڑکا آگے چل کر اپنی شاعری کی بنا پر مہاکوی کہلایا اور نوبل پرائز حاصل کیا۔ اس لڑکے کا نام تھا رابندر ناتھ ٹیگور۔

۱۹۱۳ء میں یعنی باون سال کی عمر میں رابندر ناتھ ٹیگور کو ان کی مشہور ترین کتاب ''گیتا نجلی'' پر نوبل پرائز دیا گیا۔ یہی رابندر ناتھ ٹیگور جنھیں نوبل پرائز ملا بچپن میں پڑھائی سے بہت جی چراتے تھے، اس لیے کہ انھیں پڑھائی کے اس طریقے سے سخت نفرت تھی جو اس زمانے میں اسکولوں میں رائج تھا اور اب بھی ہے۔ یوں تو وہ اپنے پتا کے ساتھ اکثر شانتی نکیتن جایا کرتے تھے، مگر زیادہ وقت آشرم سے قریب بہنے والے چشمے پر پتھر جمع کرنے میں اور کھیلنے میں گزر جاتا تھا۔ رابندر ناتھ ٹیگور انگریزی طریقہ تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ

انھوں نے کسی کالج یا یونیورسٹی سے کوئی ڈگری حاصل نہیں کی۔ وہ فطری طور پر بچوں کو تعلیم دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ خود بھی یہ نہ سمجھ سکے تھے کہ وہ طریقہ تعلیم کیسا ہونا چاہیے۔ انگریزی طرز تعلیم سے نفرت کی وجہ سے ٹیگور نے ایک نیا نظام تعلیم رائج کیا جو شانتی نکیتن کی صورت میں آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے۔ ٹیگور نے شانتی نکیتن کی بنیاد ۱۹۰۱ء میں رکھی تھی اور اس کے اکیس سال بعد یعنی ۱۹۲۱ میں وشو بھارتی وشوا دیالیہ قائم کیا۔

اپنی ایک تقریر میں ٹیگور نے اپنی نا تجربے کاری اور تعلیم کے نئے نظام سے ناواقفیت کا کھلے طور پر اعتراف کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں: ''جب میں نے اسکول کی بنیاد رکھی تو اس وقت حقیقت میں نہ تو مجھے تعلیم دینے کا تجربہ تھا اور نہ کوئی طریقہ تعلیم مجھے معلوم تھا۔ اس کے باوجود میں اسکول اس بھروسے پر چلاتا رہا کہ میں بچے کی فطرت کو سمجھ سکوں گا۔''

رابندر ناتھ ٹیگور کی اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تعلیم کا بے جا بار بچوں کے ذہنوں پر ڈالنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ پہلے وہ بچے کی فطرت کو سمجھنے کے خواہش مند تھے۔ وہ بچوں کو مشینی طور پر رٹائے جانے والے سبق، جبر اور سختی کے انتہائی مخالف تھے اور جو برتاؤ اس دور میں بچوں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا اس سے ٹیگور کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ ٹیگور کا کہنا تھا کہ ان ہی وجہوں سے بچے رٹائے ہوئے سبق بھول جاتے ہیں۔ اپنی تقریر میں ٹیگور اس طرح اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں۔

''میں نے یہ ضرور سیکھ لیا تھا کہ بچوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اپنی تعلیم کے زمانے میں سختی سے یہ محسوس کیا کہ طرز تعلیم انسان کی زندگی سے واقعی علاحدہ ہے۔ اسکول میں گرامر بھی سیکھی اور حساب بھی اور بہت سی چیزیں بھی۔ لیکن اب میں سب بھول چکا ہوں۔'' بھولنے کی وجہ ہے ہمارا موجودہ ناقص طریقہ تعلیم۔ بچوں کے رجحان اور میلان کا خیال کیے بغیر بچے کو مقررہ کورس پڑھنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ وہ بے بس ہو کر کسی طرح رٹ رٹا کر کامیاب تو ہو جاتا ہے، لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد وہ سب کچھ بھول جاتا ہے جو اسے پچھلی جماعتوں میں بتایا گیا تھا۔'' ٹیگور دوسرے بچوں کی بہ نسبت زیادہ حساس واقع ہوئے تھے اور اسی احساس کی بنا پر وہ موجودہ نظام تعلیم کے نہ صرف مخالف تھے بلکہ اس سے نفرت کرتے تھے۔ ے عام بچوں کی سمجھ بوجھ لے کر پیدا ہوتے تو یقیناً وہ بھی موجودہ غلط نظام تعلیم کو اپنا یے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ یہ ان ہی کی زبانی سنو! ''.....مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ دوسرے لڑکوں کے مقابلے میں میرے اندر زیادہ احساس تھا۔ اگر یہ احساس نہ ہوتا تو میں اس تعلیم سے مطمئن ہو جاتا۔''

اب ذرا استاد کے پڑھانے کے انداز، جماعت کے متعلق بچوں کی ذہنیت اور کورس کی صورت میں ہر صبح دہرائے جانے والے گانے کے متعلق ٹیگور کے تاثرات سنو! وہ کہتے ہیں۔

''مجھے وہ زمانہ یاد آتا ہے جب کلاس روم کا دروازہ مجھے ایک بڑے مندر کی طرح دکھائی دیتا تھا جس میں لکڑی کی بنچیں رکھی ہوئی تھیں اور ٹیچر ایک زندہ گراموفون کی طرح

سبق پڑھاتا ہوتا۔ مجھے اب بھی وہ گانا یاد ہے، جس میں کوئی حسن اور دل فریبی نہیں تھی، جسے ہم صبح کلاس میں داخل ہونے سے پہلے کورس کی صورت میں دُہرایا کرتے تھے۔''

ٹیگور فطری اور قدرتی ماحول کے بڑے دلدادہ تھے، اس زمانے میں ٹیگور کے خیالات کی تائید کرنا تو دور کی بات ہے ان پر کوئی اعتماد بھی نہیں کرتا تھا، کیونکہ ان کے پاس کسی یونیورسٹی کی ڈگری نہیں تھی۔ وہ کتنے ہی بڑے شاعر، ناول نگار، بلند مرتبہ افسانہ نویس، ماہر مصوّر، شفیق معلم اور عمدہ مقرر کیوں نہ ہوں، مگر ہم جیسے عقل کے اندھوں کو کاغذ کا وہ معمولی سا ٹکڑا بھی چاہیے جو اس بات کی تصدیق کر دے کہ وہ قابل ہیں۔ یہ بڑی بُری بات ہے کہ انسان کی قابلیت کا اندازہ اس کی ذاتی علمیت سے نہیں لگایا جاتا بلکہ ڈگری دیکھی جاتی ہے۔ ٹیگور کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ ایک جگہ ٹیگور اس بات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔.... ''سچ بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص مجھ پر اس معاملے میں اعتماد نہیں رکھتا تھا نہ میرے پاس کوئی یونیورسٹی کی ڈگری ہے نہ تعلیمی امتیاز۔۔ میں ایسا شخص تھا جو شعر لکھنے کے سوا کچھ نہ جانتا تھا۔''

ٹیگور کی رائے میں تعلیم کی اصل اہمیت کچھ اور تھی۔ وہ آپس کے اتفاق اور اتحاد کو اہم سمجھتے تھے۔ ٹیگور یہ نہیں چاہتے تھے کہ ننھے دماغوں پر تعلیم کا بوجھ لادا جائے بلکہ وہ بچوں کو قدرتی حُسن اور دل فریبی سے روشناس کرانا چاہتے تھے، وہ کہتے ہیں:

''تعلیم سب سے اہم نہیں ہے..... سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں۔ میرے نزدیک ایک بچّہ بارہ سال کی عمر تک پوری طرح شعوری نہیں بلکہ بے شعوری زندگی بسر کرتا ہے۔ اس لیے ان برسوں میں علم کا بوجھ ان کے دماغوں پر نہیں پڑنا چاہیے۔ بلکہ کوشش اس بات کی کرنی چاہیے کہ ان کا دماغ قدرتی خوبصورتی کا شیدائی بن جائے۔''

ٹیگور نے اپنے اس خوب صورت اور انوکھے خیال کو عملی طور پر شانتی نکیتن کی صورت میں ظاہر کر دیا۔ شانتی نکیتن قائم ہونے کے بعد ان کی بے چین روح کو کچھ شانتی ملی اور انھوں نے جی جان سے اس کو پروان چڑھایا اور ترقی دینے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ شروع میں ان کے سپرد صرف پانچ بچے کیے گیے تھے ..... ٹیگور نے چالیس سال کی عمر میں اس اسکول کی بنیاد ڈالی، جہاں ان کے پتا آنجہانی دیبندر ناتھ نے آشرم تعمیر کرایا تھا۔ یہ اسکول سے ترقی کر کے کالج بنا، کالج سے ترقی کر کے یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا۔

شانتی نکیتن میں تعلیم کا بڑا ہی انوکھا طریقہ رائج ہے....... بچوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی جاتی اور ان کے دماغوں پر غیر ضروری بار نہیں ڈالا جاتا۔ انھیں مکمل آزادی حاصل ہے۔ وہ امتحانات جہاں چاہیں دے سکتے ہیں۔ یعنی یونیورسٹی کے احاطے میں کہیں بھی دے سکتے ہیں۔ امتحانات کے دوران ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ کوئی نگراں مقرر نہیں کیا جاتا۔ انھیں شروع ہی سے اس قسم کی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ خود پر اور دوسروں پر اعتماد کریں۔ بچوں کے بارے میں ٹیگور کا خیال انتہائی بلند اور پاک تھا۔

(ماخوذ ماہنامہ ''کھلونا'' نئی دہلی، ستمبر ۱۹۶۶ء، قدرے ترمیم کے ساتھ بہ شکریہ۔ فیروز بخت احمد، دہلی)

لال قلعہ کا قصّہ

مختار ٹونکی

آپ جانتے ہیں نا! لال قلعہ دہلی کی شان اور ملک کی عظمت کا نشان ہے۔ شاید آپ میں سے کچھ نے لال قلعہ کو گھوم پھر کر دیکھا بھی ہو لیکن اپنی دادی و نانی سے اس کی کہانی نہ سنی ہوگی۔ ہاں بھئی ہاں! اس کا بھی ایک قصہ ہے

-ایک بادشاہ تھا۔ نام تھا اس کا شہاب الدین شاہ جہاں۔

آگرے میں بیٹھا ہوا ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔ جب اس کی چہیتی بیگم ممتاز محل اسے چھوڑ کر دنیا سے چلی گئی تو وہ اداس رہنے لگا۔ تنہائی اسے کاٹنے لگی۔ پھر آگرے کی گرمی اور گھٹن بھی اسے پریشان کرنے لگی۔ اس لئے اس نے دہلی کو راجدھانی بنانے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا مکرم خان میر کو حکم دیا کہ وہ دہلی میں لال پتھر کا قلعہ تیار کرنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کرے۔

آج تو دہلی بھری پُری اور بہت گھنی ہے مگر ان دنوں اُجاڑ سی تھی۔ کافی تلاش کے بعد مکرم خاں کو تال کٹورہ اور اس کے آس پاس کی زمین پسند آئی۔ وہاں پانی کی سہولت تھی اور ہریالی [illegible] ہوئی تھی۔ وہ مشہور راج مستریوں استاد ہیرا اور استاد حامد کو قلعہ تعمیر کرنے کی ہ داری سونپی گئی۔ دونوں کاریگر واقعی اپنے کام میں استاد تھے اور تعمیری فن میں مہارت رکھتے تھے۔ آج کل جیسے ڈگری والے انجینئر نہیں تھے۔ ان کاریگروں کو لال پتھر کی عمارت کیلئے یہ جگہ پسند نہیں آئی۔ انہوں نے وجہ بیان کی کہ گرمی کے موسم میں جب تال سوکھ جائے گا تو قلعہ کی کھائی میں پانی بھرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مٹی میں شورے کی مقدار بھی زیادہ ہے جس سے لال پتھر کے چٹخنے کا اندیشہ بنا رہے گا۔ پھر یہ ہوا کہ دوسری جگہ تلاش شروع ہوئی۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد ان عمارتی استادوں کو جمنا ندی کے کنارے شیر شاہ سوری کے بیٹے سلیم شاہ کے بنوائے سلیم گڑھ کے پاس جگہ پسند

آئی اور انھوں نے قلعہ بنانے کی صلاح دی کیونکہ یہاں زمین میں شورہ نہیں تھا اور ندی کے کنارے ہونے کی وجہ سے عمارت میں ٹھنڈک بھی خوب رہ سکے گی۔

1639ء میں بنیاد کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ دھول پور سے لال پتھر آنے لگا۔ ملک بھر کے راجہ، نواب، امراو جاگیر دار قلعہ کے تعمیر کیلئے ضروری سامان بھیجنے لگے۔ کھودی گئی بنیادیں جب بھر دی گئیں تو دونوں کاریگر ہیرا اور حامد اچانک بغیر اطلاع لاپتہ ہو گئے۔ قلعہ کی تعمیر کا کام ٹھپ ہو گیا۔ جگہ جگہ ان کی تلاش میں گھوڑے دوڑائے گئے، شاہجہاں کی طرف سے خصوصی عملہ ان کی کھوج میں لگایا گیا، ڈھنڈورا پٹوایا گیا مگر لاکھ جتن کے بعد بھی دونوں کا سراغ نہیں مل سکا۔ آخر کار بادشاہ نے ان دونوں کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا اور ان کی بازیافت کے لئے انعام بھی مقرر کیا گیا مگر سب کچھ بے سود۔ وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے تھے۔ ملتے بھی کیسے؟

پھر ایک دن اچانک ہی دونوں ایک ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اپنی اس غیر حاضری اور گستاخی کی معافی چاہی۔ اپنی استادی کا اس طرح سکہ بٹھایا کہ ہم بنیاد کو کچھ عرصہ کے لئے کھلا چھوڑ دینا چاہتے تھے تاکہ اسے ہر موسم کی ہوا لگ جائے، اسی لئے لاپتہ ہو گئے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب قلعہ کی عمارت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ بادشاہ ان کے اس جواب سے مطمئن ہو گیا۔

قلعہ کے بنانے کی دیکھ بھال کا ذمہ عزت خان کو سونپا گیا تھا۔ لیکن جب اسے سندھ جانا پڑا تو علی وردی خاں کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی۔ اس نے تین سال میں قلعے کی دیواریں بارہ بارہ گز اونچی کرا دیں، ان پر کنگورے بھی بنوا دیے، تین جانب چوڑی اور گہری کھائیاں بھی کھدوادیں جن میں جمنا ندی کا پانی بھرا گیا۔

قلعہ میں آنے جانے کیلئے شہر کی طرف دو دروازے بنائے گئے۔ دریا کی طرف جانے والے راستہ پر بھی دروازے تعمیر کئے گئے۔ چاندنی چوک کی جانب بنے دروازے کو لاہوری دروازہ اور فیض بازار کی جانب جانے والے کو کشمیری دروازے کا نام دیا گیا۔

یاد رہے کہ دہلی کا قدیم نام شہر پناہ تھا اور اس کے سات معروف دروازے تھے: (۱) دہلی دروازہ (۲) ترکمان دروازہ (۳) اجمیری دروازہ (۴) لاہوری دروازہ (۵) موری دروازہ (۶) کشمیری دروازہ (۷) کلکتہ دروازہ۔

شاہجہاں کا بسایا شہر شاہجہاں آباد تھا۔ دہلی اس کے کچھ دور ہی بسی تھی۔ اس لئے لال قلعہ کے اندرونی دروازے سے ہو کر دہلی جایا جا سکتا تھا۔ دہلی کا یہ لال قلعہ ۹ برس میں بن کر تیار ہوا۔ شاہجہاں آگرے سے دہلی آیا تو کلاں محل میں ٹھہرا جو لال قلعہ بننے سے پہلے اس کے ٹھہرنے کیلئے بنوایا گیا تھا۔ لال قلعہ میں پہلی بار جب شاہجہاں کی سواری داخل ہوئی تو اس کا بڑا بیٹا دارا شکوہ چاندی کے سکے نچھاور کر رہا تھا۔

لاہوری دروازہ کو آخری مغل بادشاہ نے اس لئے تڑوا دیا تھا کہ بھاری بھرکم مولا بخش نام کا ہاتھی ہودے سمیت اس میں سے نکل نہیں سکا تھا۔ مغلیہ حکومت کی شان و شوکت کا ایک عظیم الشان نمونہ اور جیتی جاگتی یادگار ہے لال قلعہ۔ ہر سال ۲۶ جنوری کو ملک کے وزیر اعظم لال قلعہ سے قوم کو خطاب کرتے ہیں۔
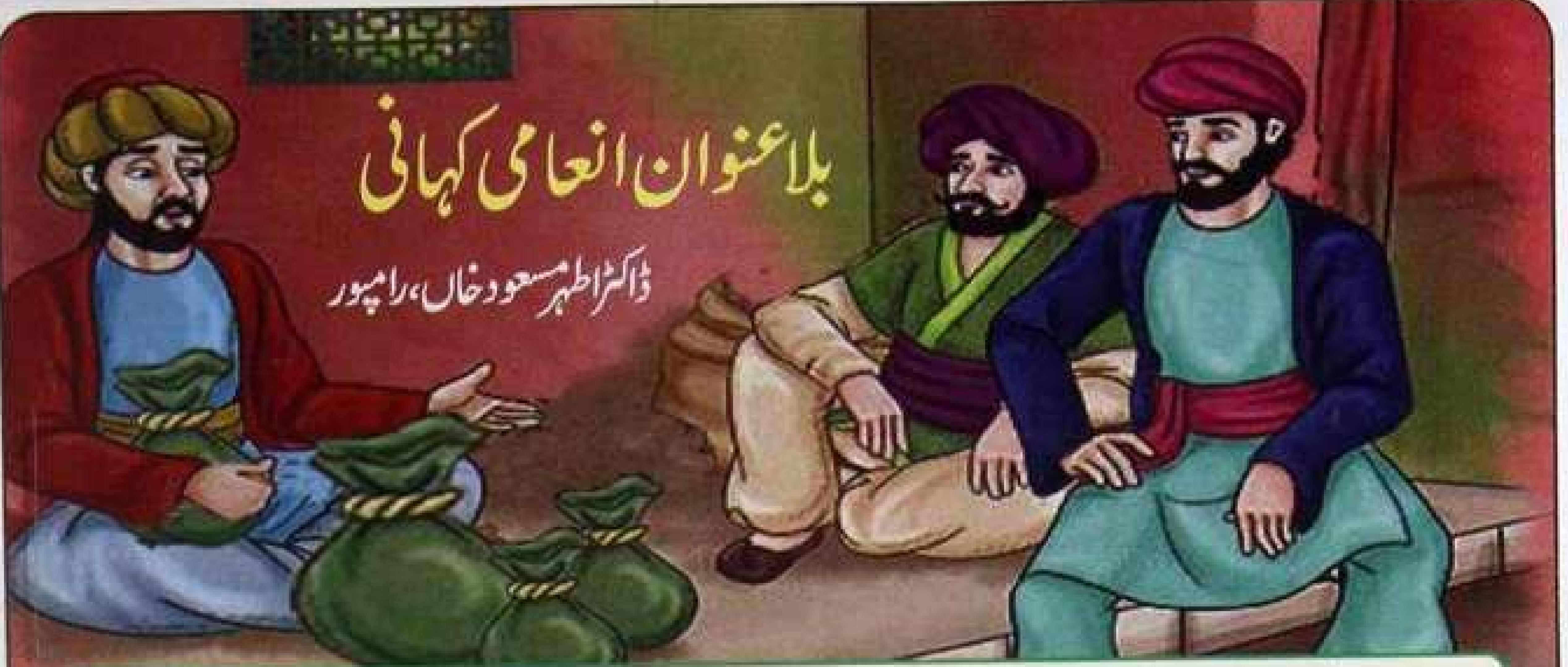
اس کہانی کے لئے ایک اچھا سا عنوان تجویز کر کے ۱۵ر فروری تک روانہ کریں۔ آپ کی عمر بیس برس سے کم ہونا چاہئے۔ جج صاحبان کو جو عنوان پسند آئے گا اس کے تجویز کرنے والے شخص کو" باغیچہ" کے پانچ شمارے بطور انعام پیش کئے جائیں گے۔ آپ اپنی تجویز بذریعہ ای میل بھی روانہ کر سکتے ہیں۔ مکمل نام و پتہ لکھنا نہ بھولیں۔

کل اتوار کا دن تھا۔ مریم اور ذکیہ نے رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دادی جان کو ان کا وعدہ یاد دلایا کہ ہم سنیچر کی رات کو تمہیں کہانی سنائیں گے تا کہ اگلے دن ہوم ورک پورا کر لو۔ دادی جان عشاء کی نماز سے فارغ ہو چکی تھیں۔ اس لئے کوئی عذر نہ تھا لہذا کہانی شروع کی۔

بہت زمانہ گذرا کسی ملک میں ایک ایسا شخص تھا جس کو قدرت نے زر و جواہر دیئے تھے لیکن اس کے باوجود اس کے اندر غرور اور تکبر نام کو بھی نہیں تھا اور اس کے اندر خیرات و صدقات دینے اور دوسروں کی مدد کرنے کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی ضرورت منداس کے محل کے ہر دروازے سے آکر کچھ مانگتا تو وہ انکار نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنا ایک محل، خاص اسی کام کے لیے بنوایا تھا جس میں ایک سو دروازے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے امتحان کی غرض سے اس کے اسی محل کے پہلا دروازے سے لے کر آخری دروازے تک ، ر ــــ کچھ مانگا اور پھر پہلے دروازے پر آ گیا۔ لیکن اس عظیم اور پاکیزہ انسان نے نہ تو ب و منع کیا اور نہ ایک بار بھی یہ کہا کہ ابھی تو میں نے تمہاری مدد کی تھی۔ غصہ نہ کرنا بھی اس کی عادت میں شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی شخص اس کے جسم کے کپڑے بھی مانگتا تو وہ یہ کام بھی بغیر کسی ناراضگی کے خوشی سے کر دیا کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صدقہ و خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اس میں ہر لمحہ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

ایسی صورت حال میں آدمی کو بہت مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ لوگوں کا منظور نظر بن جاتا ہے لیکن دنیا کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ جس شخص کو عوام میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو چاہنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے تو وہیں ایسے نیک سیرت

لوگوں سے جلنے، ان کو نیچا دکھانے اور ان کا برا چاہنے والوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ بس یہی وجہ تھی کہ اس ملک میں ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا جو مستقل طریقے سے بادشاہ کے کان بھرتا اور اس کو اس نوجوان کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ ''حضور! یہ شخص اس قدر ہر دلعزیز ہے کہ ایک نہ ایک دن رعایا آپ کی جگہ اس کو بادشاہ بنائے گی۔'' اسی وجہ سے بادشاہ کا دل اس نوجوان کی طرف سے کھٹا ہو گیا تھا۔ اسی الجھن میں اس نے اپنے ملک میں اعلان کرا دیا کہ اس نوجوان کو جو شخص بھی گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک لاکھ اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ پیسے کا لالچ کسے نہیں ہوتا اور وہ بھی ایک لاکھ اشرفیوں کا انعام!

بس یہی سوچ کر لوگ اس نوجوان کو پکڑنے کے لیے نکل پڑے لیکن وہ نوجوان بھی اس خبر کے ملتے ہی اپنے محل سے روپوش ہو گیا۔ وہ جنگلوں اور گاؤں میں پھرتا رہا لیکن وہ اپنی بدنامی، ڈر، خوف یا اور کسی وجہ سے اپنے محل سے غائب نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی ایک اور خاص وجہ تھی جس کو اس نے پوشیدہ رکھا تھا۔ چلتے چلتے اس کا گزر ایک ایسے گاؤں سے ہوا جس میں ایک گھر نہایت بوسیدہ اور ٹوٹا ہوا تھا بلکہ یہ گھر کیا تھا بس چھپر پڑی ہوئی ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی تھی۔ بوسیدہ ٹاٹ پر بیٹھا ایک بوڑھا کھانس رہا تھا اور بوڑھی عورت بانوں کی ٹوٹی چارپائی پر لیٹی درد سے کراہ رہی تھی۔ یہ نوجوان کچھ رقم دے کر ان کا مہمان بن گیا۔ ایک روز صبح صبح اسے بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی: ''بادشاہ نے ہر چھوٹے بڑے گاؤں کے گلی کوچوں میں ایک نوجوان کو پکڑ کر لانے کا اعلان کیا ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ وہ نوجوان ہمارے ہاتھ لگ جائے اور ہم اس کو پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کر دیں۔'' اس نے حسرت سے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کھانستے ہوئے دوبارہ بولی۔ ''اس طرح ہمیں ایک لاکھ اشرفیاں مل جائیں گی اور ہمارے بڑھاپے کے دن کچھ اچھے گزر جائیں گے۔''

''اری بھاگوان! ہمارے ایسے نصیب کہاں ہیں کہ وہ نوجوان ہمارے ہاتھ.....'' بوڑھے نے حسرت سے دروازے کے ٹوٹے کواڑوں کو دیکھتے ہوئے کہنا چاہا۔ لیکن ابھی اس کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ نوجوان، جس نے انھیں اپنا نام اور مقام تک نہیں بتایا تھا وہ اچانک بول پڑا: ''بادشاہ نے جس شخص کو گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے وہ میں ہی ہوں۔'' بوڑھے کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے کھلی رہ گئیں لیکن اسی درمیان نوجوان نے آگے کہا: ''تم مجھے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے چلو اور انعام میں ایک لاکھ اشرفیاں حاصل کر لو۔''

دونوں بزرگ یہ سن کر حیران رہ گئے کہ اس دنیا میں کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ انعامی رقم دوسرے کو دلوانے کی خاطر اپنے آپ کو گرفتار کرا دے۔ بوڑھی عورت نے اٹھ کر گھڑے میں سے اسے ٹھنڈا پانی دیا اور رات کی رکھی ہوئی دال اور چند روٹیاں اس کے آگے لا کر رکھیں اور بڑی شفقت سے اس سے کھانے کے لیے کہا۔ نوجوان نے ضد کی کہ پہلے تم وعدہ کرو کہ مجھے پکڑ کر بادشاہ کے روبرو پیش کرو گے تب میں کچھ کھانے پینے کے بارے میں سوچوں گا لیکن بوڑھے نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا کہ

"میں ایسے شخص کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتا جس کی جان کو بادشاہ کی طرف سے خطرہ ہو۔" دونوں اپنی اپنی بات منوانے کے لیے ایک دوسرے سے ضد کر رہے تھے۔ آخر کار نوجوان نے ایک چال چلی اور بوڑھے سے کہا: "اگر تم مجھے باندھ کر بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ گے تو میں خود بادشاہ کے پاس جا کر تمہاری شکایت کروں گا کہ ان دونوں میاں بیوی نے مجھے اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا اور اس کے نتیجے میں تم سمجھ ہی سکتے ہو کہ بادشاہ تمہیں کیسی سزا دے گا!"

نوجوان کی یہ ترکیب کارگر ہوئی۔ بوڑھے نے کہا کہ "میں تمہیں بادشاہ کے پاس ضرور لے چلوں گا لیکن اس نے یہ شرط بھی رکھ دی کہ میں تمہیں باندھ کر نہ لے جاؤں گا۔ تم جیسے نیک سیرت نوجوان پر مجھے ترس آتا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے ہمدرد اور سچے شخص کو بادشاہ سزا کیوں دینا چاہتا ہے۔"

غرض یہ مختصر سا قافلہ بادشاہ کے دربار میں جا پہنچا۔ دربانوں اور پہرے داروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ وہی نوجوان ہے جس کی گرفتاری کا بادشاہ نے حکم دیا ہے تو انھوں نے جلدی سے اسے بادشاہ کے روبرو پہنچا دیا۔

بادشاہ کے سامنے جب وہ نوجوان حاضر کیا گیا تو بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ اس نوجوان کو پکڑ کر لانے والے غریب بوڑھے کو ایک لاکھ اشرفی، شاہی جوڑے اور انعامات سے نوازا جائے۔

لیکن اچانک بوڑھے نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے کہا کہ "اس نوجوان نے ہی ہم میاں بیوی سے ضد کی کہ مجھے بادشاہ کے پاس لے چلو اور انعام میں ایک لاکھ اشرفی حاصل کرو۔"

بادشاہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا "یہ کیسے ممکن ہے؟"

اس پر بوڑھے کو جوش آ گیا اور وہ بولا "اس نوجوان نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو میں خود جا کر بادشاہ کے سامنے تمہاری شکایت کروں گا کہ تم نے ہی مجھے اپنی جھونپڑی میں چھپا لیا تھا۔"

بادشاہ کے لیے یہ بات اور بھی حیران کر دینے والی تھی۔ اس نے بلند آواز میں نوجوان سے پوچھا: "ایسا تو نہیں کہ تم دونوں کی آپس میں کوئی سازش یا ملی بھگت ہو۔"

لیکن نوجوان نے بادشاہ کے سامنے جو بات کہی اسے سن کر بہت سے لوگ حیران رہ گئے۔ نوجوان کہہ رہا تھا: "میں تو محض آپ کی سلطنت کے اس غریب اور بے سہارا شخص کی مدد کرنا چاہتا تھا کہ اس کی زندگی سکھی ہو اور اس کا بڑھاپا آرام سے گزر جائے۔ اس لئے میں نے ں سے ضد کی کہ مجھے گرفتار کر کے بادشاہ کے روبرو لے چلو اور انعام میں ایک لاکھ اشرفیاں پاؤ۔"

"لیکن ......" بادشاہ نے کہا: "میں تو صرف تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تمہارے بارے میں جو یہ مشہور ہے کہ تم موجودہ وقت کے سب سے زیادہ سخی شخص ہو، تو یہ بات صحیح ہے یا غلط؟ میں نے دیکھ لیا کہ تم ہی ہمارے ملک کے سب سے زیادہ پسندیدہ اور ہمدرد شخص ہو اور میں دل سے تمہاری قدر اور عزت کرتا ہوں۔"

"ہم جانتے ہیں کہ تمہارا نام حاتم طائی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ دنیا ہمیشہ تمہیں ایک سخی شخص کی حیثیت سے یاد کرتی رہے۔"

یہ منھ اور مسور کی دال

ایچ ایم یٰسین، لکھنؤ

نوابین اودھ نے اپنا وقت بہت شان سے گزارا۔ نئے نئے کھیل اور تفریح کے طریقہ ایجاد کیے اور بہت شہرت حاصل کی۔ ان کے باورچی خانے بھی بہت مشہور ہوئے اور آپ جانتے ہیں جس چیز کو حکومت یا شاہوں کی سرپرستی مل جائے اس کی ترقی بہت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ جب نوابوں میں اچھے اچھے اور طرح طرح کے کھانوں کا شوق اُبھرا تو اس کے بنانے والوں نے بھی اس میں دل چسپی لے کر نئے نئے تجربے کیے اور بہترین قسم کے کھانے ایجاد ہوئے۔ ہر ڈش کے الگ الگ ماہر باورچیوں نے ان نوابوں کو خوش کر کے انعام حاصل کرنے کی غرض سے ان کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ ان باورچیوں اور رکاب داروں نے اپنے آقاؤں کے لیے ایسی ایسی نعمتوں سے دسترخوانوں کو سجایا کہ لوگ عش عش کر اٹھتے۔ دسترخوان کی شان ان پر سجے کھانوں سے ہی ہوتی ہے اور جتنا وسیع دسترخوان اتنا ہی باوقار اس کا مالک۔ آپ تعجب کریں گے کہ نواب شجاع الدولہ کے ایک باورچی خانے کا خرچہ باورچی اور ملازموں کی تنخواہ کے علاوہ سات لاکھ روپے سالانہ اس سستے وقت میں ہوتا تھا اور بیسیوں طرح کے پلاؤ، دسیوں طرح کی روٹیاں بنتیں تھیں۔

ان ہی باورچیوں میں ایک مسور کی دال کے ماہر تھے اور صرف اسی کی تیاری اور لذّت کے لیے نواب صاحب کی خدمت میں رہتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ نواب صاحب ان سے ناراض ہو گئے یہ بھی چونکہ

ذرا اکڑ وخاں تھے۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے اس لیے ملازمت چھوڑ دی۔ پریشان ہوئے لیکن سمجھانے پر بھی اپنی ضد کی وجہ سے نواب کے یہاں نہیں گئے۔ انھوں نے سوچا کہ کہیں اور کام تلاش کر لیں گے اور اس لیے شاندار انگرکھا، کمر میں پٹکا، سر پر بہترین پگڑی پہن کسی راجہ کے یہاں نوکری کی درخواست گزار دی۔ راجہ نے ان کا رعب داب دیکھ کر معلوم کیا کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا ”سرکار نوابین اودھ کا مسور کی دال کا اسپیشلسٹ ہوں۔“ راجہ صاحب یہ جان کر حیران ہوئے لیکن باورچی صاحب کو رکھ لیا۔ دو تین دن بعد ان کو یاد دلایا گیا کہ سرکار آپ نے مسور کی دال کا باورچی ملازم رکھا ہے اس کو تو آزمایئے۔ راجہ صاحب نے باورچی سے مسور کی دال کی فرمائش کر دی۔ باورچی نے دیوان صاحب سے راشن کے علاوہ ایک اشرفی بھی طلب کر لی۔ دیوان صاحب حیران تھے کہ ایک اکیلی دال کے لیے اتنا سامان اور اشرفی۔ بہر حال دال تیار کر کے دستر خوان پر سجائی گئی۔ دال واقعی بہت لذیذ تھی۔ سب مہمانوں نے تعریف کی لیکن دیوان صاحب نے راجہ صاحب سے دال کے اتنے زیادہ خرچ کی شکایت کی اور اشرفی کے بارے میں الزام لگاتے ہوئے اس سے حساب طلب کرنے کی درخواست کی اس پر باورچی کو بہت غصہ آیا کہ داروغہ اس پر چوری کا الزام لگا رہا ہے وہ اس کو باورچی خانے میں لے گیا اور وہاں کھڑکی کی سل پر رکھی ہوئی اشرفی ان کو دکھلائی کہ ”وہ رکھی ہے جایئے اٹھا لیجیے۔“ دیوان جی اسے اٹھانے کو لپکے اور اٹھانے کی کوشش کی تو

وہ راکھ ہو چکی تھی۔ باورچ[illegible] یوان جی سے ترش لہجے میں کہا۔ ”اٹھالی“۔ تب ہی راجہ صاحب نے اس [illegible]ی تعریف کے بجائے اس کی گرانی اور اشرفی کا رونا رونا شروع کیا۔ باورچی جلا بھنا تو تھا ہی۔ اس سے برداشت نہ ہو سکا اور اس نے خاموشی سے اپنے پٹکے کے نیچے سے ایک اشرفی اور سامان کی ساری قیمت نکال کر راجہ صاحب کی ہتھیلی پر یہ کہہ کر رکھ دی ”لیجیے سرکار“ اور وہاں سے چلتے ہوئے بولا ”یہ منہ اور مسور کی دال“ راجا صاحب تھوڑا شرمندہ ہوئے اور معذرت کر کے اس کو روکنا چاہا لیکن وہ اپنی ضد اور تنک مزاجی میں وہاں سے چلا آیا رُکا نہیں۔

یہ منہ اور مسور کی دال کی مثال بس اسی دن سے مشہور ہوگئی۔

(ماخوذ کتاب ”خون“ مصنفہ ایچ ایم لیئین)

نیت کا پھل

علی عباس حسینی، ممبئی

آنکھ کی دیکھی کہتا نہیں، کان کی سنی بھی نہیں کہتا۔ یہ کہانی تزک جہانگیری میں پڑھی ہے۔ اسی کو اپنی زبان میں بیان کرتا ہوں۔ جھوٹ سچ جہانگیر کی گردن پر!

ایک ملک میں ایک بادشاہ تھا، ہمارا آپ کا خدا بادشاہ! یہ بادشاہ جوان تھا، حسین تھا بہادر تھا وہ شکار کا بڑا شائق تھا۔ کبھی گھوڑے پر سوار ہرن کو تیر کا نشانہ بنا رہا ہے۔ کبھی بازوں کی مدد سے چڑیاں پکڑ رہا ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ جب وہ ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالے چلا جا رہا تھا کہ ہرن ایک گھنے جنگل میں گھس گیا۔ درخت اس قدر ملے ملے اُگے ہوئے تھے اور جھاڑیاں اس طرح ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈالے کھڑی تھیں کہ مشکل سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی اس سے گزر سکتا تھا۔ بادشاہ کا عربی گھوڑا قوی بھی تھا، تیز بھی تھا، لشکر اور ساتھی سب پیچھے رہ گئے، مگر بادشاہ جنگل میں گھستا چلا گیا۔ ہرن تو کہیں چھپ کر بیٹھ رہا، لیکن بادشاہ گھوڑا بڑھائے چلتا رہا۔ پہر دن چڑھا، دوپہر ہوئی۔ سورج سر سے ڈھل کر درخت کی آڑ سے جھک جھک کر جھانکنے لگا، لیکن بادشاہ جنگل میں بھٹکتا رہا۔ امیروں کو پکارتا ہے ساتھ والوں کو آواز دیتا ہے، کوئی جواب نہیں ملتا۔ بھوک بھی لگتی ہے پیاس بھی۔ نہ یار ہے نہ مددگار ہے۔ آخر حیران، پریشان ایک جگہ گھوڑا روک کر کھڑا ہو گیا۔ سوچنے لگا، کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟ کیسے اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں؟ ایسے میں سب کو خدا یاد آتا ہے۔ اسی کو فریاد رسی کے لیے پکارا۔ گھوڑے سے اُتر سر سجدے میں رکھا اور گڑ گڑایا۔ ''اے سب کے پالنے والے! میری مدد کر اور مجھے اس مشکل سے نکال۔'' محسوس ہوا کہ ڈوبتے دل کو کسی نے ڈھارس بندھائی۔ گھوڑے پر پھر بیٹھ کر لگام ڈھیلی کر دی۔ گھوڑا چلتا رہا اور سورج ڈوبنے سے پہلے جنگل سے نکل کر، ایک وادی میں پہنچا۔ بادشاہ نے ادھر ادھر نظر ڈالی، تھوڑی دور پر ایک باغ نظر آیا۔ اونچی چہار دیواری میں بڑا سا پھاٹک، باغ میں ایک حویلی، بادشاہ کے دل میں بھی امید کی جھلک پیدا ہوئی۔ پھاٹک کھلا تھا، گھوڑا بڑھائے اندر چلا گیا، آخر بادشاہ تھا، اسے کس کا ڈر تھا اور اسے کسی سے اجازت لینے اور پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ بادشاہ کے گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سن کر حویلی سے ایک بوڑھا نکلا۔ سفید داڑھی بڑھی ہوئی، چہرے پر جھریاں

پڑی ہوئی، پیشانی پر عبادت کی مہر لگی ہوئی۔ بادشاہ کو سلام کیا ''کہیے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟'' بادشاہ نے کہا'' پیاس سے بیتاب ہوں پہلے پانی پلائیے، پھر باتیں ہوں۔'' بوڑھے نے مڑکر پکارا''صبیہ! بیٹی، جلدی سے عرق انار لاؤ۔''

چند منٹ میں ایک خوب صورت لڑکی دونوں ہاتھوں میں ایک بلّوری برتن لیے ہوئے آئی۔ بادشاہ نے اس پر نظر ڈالی۔ لیکن لالچی آنکھیں اُسی برتن پر جمی رہیں جو عرق انار سے چھلک رہا تھا اور جس میں دوہری ہری پتیاں پڑی تھیں۔ بادشاہ نے شکریہ بھی ادا نہ کیا بلکہ کانپتے ہاتھوں سے جلدی سے برتن لے منہ سے لگا لیا۔ جب وہ گھونٹ پی چکا اور سوکھا حلق تر اور جلتا بھُنتا سینہ ٹھنڈا ہوا تو پتی لب سے آ لگی۔ اس نے اسے زور سے پھونکا، پھر دو تین گھونٹ پیا، پھر پتی نے اسے ایک سانس میں غٹ غٹ کرکے عرق چڑھا لینے سے روکا۔ اس نے جھنجھلا کر، انگلی ڈال کر پتی نکال دینا چاہی۔ ایک تو جلدی ہاتھ آ گئی مگر دوسری نے ڈوب کر خاصی دیر لگائی۔ وہاں پیاس تھی کہ بجھنے کو نہ آتی اور ٹھہرنے نہ دیتی۔ مجبوراً پتی پھونک پھونک کر لب سے الگ کی اور پورا برتن چڑھا لیا۔

اب ذرا حواس درست ہوئے تو لڑکی پر بھرپور نظر ڈالی۔ وہ معصومیت سے کھڑی مسافر کا منہ تک رہی تھی۔ عربی گھوڑا زبان نکالے ہانپ رہا تھا۔ مسافر کا قیمتی لباس جگہ جگہ سے پھٹا تھا۔ پگڑی سے کلغی غائب تھی چہرے پر اور ہاتھوں پر کانٹوں کی خراش کے نشان تھے۔ ایک پاؤں کی جوتی تھی دوسری جنگل میں کہیں گر چکی تھی۔ بائیں گھٹنے کے پاس سے پائجامہ پھٹ گیا تھا۔ وہاں خون کے داغ تھے۔ سوچنے لگی، کوئی امیر زادہ ہے، لیکن بلا کا شکاری۔ ہمدردی دل میں پیدا ہوئی، ادھر بادشاہ نے دل میں سوچا محلوں کی زیبائش کے لائق اور تخت کا زیور بننے کی مستحق ہے۔ ساتھ ہی خیال آیا۔ مگر دیہاتن ہے۔ سلیقہ ہوتا تو عرق انار کے پیالے میں پتیاں ڈال کر اسے گندا نہ کرتی۔ پھر بھی اخلاق سے کہا''تم کو بڑی زحمت ہوئی۔ نہ جانے کتنے انار نچوڑے ہوں گے، جب اتنا بڑا پیالہ بھرا ہوگا۔'' وہ چونک کر مسکرادی''جی نہیں۔ ہمارے باغ کے انار اتنے بڑے اور تروتازہ ہوتے ہیں کہ ایک انار میں پیالہ چھلک جاتا ہے۔''

بادشاہ نے تعجب سے اُسے دیکھا۔ وہ بولی''کہیے تو ایک پیالہ عرق اور لے آؤں۔''

بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔''پوچھ پوچھ!''

اس مرتبہ لڑکی کو آنے میں دیر ہوئی تو بوڑھے نے کہا ''دیر کیوں لگا رہی ہے!'' صبیہ! صبیہ! بیٹی......! اندر سے گھٹی گھٹی آواز آئی''آئی ابا جان''۔

ادھر بادشاہ سوچ رہا تھا اس وادی میں اتنا بڑا باغ اور انار ایسے کہ ایک نچوڑ دینے سے پورا پیالہ بھر جائے۔ بڑی آمدنی ہوگی اس بوڑھے کو۔ اگر مملکت کے تمام باغوں پر کوئی محصول لگا دیا جائے تو خزانہ شاہی کی نہ جانے کتنی آمدنی بڑھ جائے۔ بس واپس ہوتے ہی نیا قانون بناؤں گا۔ نیا محصول جاری کروں گا۔ وہ اپنے خیالات میں محو تھا کہ بوڑھے کے بار بار پکارنے پر لڑکی ایک ہاتھ میں پیالہ لیے نکلی۔ اب کے نہ تو پیالہ بھرا تھا، نہ پتیاں پڑی تھیں۔ نہ لڑکی کے چہرے پر خوشی تھی بلکہ سُست تھی اور پیشانی پسینے سے تر تھی۔ اس نے خاموشی سے پیالہ

بادشاہ کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اب کے غٹ غٹ سب کا سب ایک سانس میں پی ڈالا۔ بالکل تازہ دم ہوگیا اس نے بادشاہوں والے تیور سے کہا۔

''لڑکی میں تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں۔''

صبیہ نے کہا ''فرمائیے''۔

بادشاہ نے کہا ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پہلی دفعہ تم نے پیالے میں پتیاں کیوں چھوڑی تھیں اور اب کے عرق بالکل صاف کر کے کیوں لائیں؟'' صبیہ نے کہا آپ اس وقت حد سے زیادہ پیاسے تھے میں نے پتیاں ڈال دیں، تا کہ پھونک پھونک کر رُک رُک کر عرق پئیں۔ ایک سانس میں اگر آپ پورا پیالہ چڑھا جاتے تو ممکن تھا کہ آپ کو نقصان پہنچتا۔ اب کے کوئی ایسا خطرہ نہ تھا۔''

بادشاہ نے دل میں کہا، یہ تو گنوار پن نہیں بلکہ سوجھ بوجھ ہے۔ ذکاوت اور ذہانت ہے۔ اس نے کہا ''ماشاء اللہ۔ بڑی ذہین ہو سمجھدار اور عقل مند!''

بوڑھے نے بڑھ کر کہا ''جی، میں نے بوعلی سینا کا قانون اسے خود پڑھایا ہے۔'' بادشاہ نے لڑکی سے مسکرا کر پوچھا ''ایک بات اور..... پہلی دفعہ تو تم جلدی سے پیالہ بھر لائیں اب کے اتنی دیر کیوں لگائی؟ پھر پیالہ بھرا بھی نہ تھا۔''

صبیہ نے رک رک کر کہا، ''مجھے خود حیرت ہے اس باغ کا ایک انار نچوڑنے میں ہمیشہ پیالہ بھر جاتا تھا۔ پہلی دفعہ ایسا ہی ہوا۔ مگر دوبارہ نچوڑنے گئی تو جس دانے کو ہاتھ لگاتی ہوں بس چلّو، آدھ چلّو سے زیادہ عرق نہیں نکلتا۔ پانچ انار توڑے ہیں تو آدھا پیالہ بھرا ہے۔ حیران ہوں کہ یکا یک باغ پر کون سی بلا آ گئی ہے جس سے اس طرح برکت اُٹھ گئی۔''

بوڑھے نے کہا ''تم ہی سوچو بیٹی! کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' صبیہ نے بادشاہ پر نظر ڈالی۔ اس کے عربی گھوڑے کو دیکھا، اس کی زین کو دیکھا اس کے قیمتی لباس کو آنکھ میں تولا۔ وہ کچھ ڈری، کچھ سہمی۔ پھر اس نے سر کا دوپٹہ برابر کیا۔ گھونگھٹ نکال لیا اور آہستہ آہستہ بولی ''ہو نہ ہو آپ اس ملک کے بادشاہ ہیں اور آپ نے اس باغ کو نقصان پہنچانے کی دل میں ٹھان لی ہے۔ اس لیے کہ جب بادشاہ کے دل میں کھوٹ آ جاتا ہے، جب اس کی نیت خراب ہو جاتی ہے، رعیت کی جگہ اپنے فائدے کی سوچنے لگتا ہے۔ تب ہی ملک سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔''

بادشاہ نے سر جھکا لیا ''سچ کہتی ہو۔ میں نے سوچا تھا، دارالسلطنت پہنچتے ہی باغوں پر محصول لگاؤں گا۔ لیکن اب تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے حدود مملکت میں باغ ہمیشہ محصول سے آزاد رہیں گے۔''

بوڑھے نے جھک کر کہا ''خدا ظل اللہ کو سلامت رکھے!''

بادشاہ نے مسکرا کر کہا ''اب پھر تیسرا پیالہ بھر کر تجربہ کرو! دیکھو برکت پلٹی یا نہیں۔'' لڑکی چند قدم آہستہ آہستہ بادشاہ کی جانب پُشت کیے بغیر پیچھے ہٹی۔ پھر اس نے پلٹ کر طرارہ بھرا اور چند ہی منٹ بعد پھر چھلکتا پیالہ لے کر پلٹی۔ اس کا چہرہ خوشی سے گلنار تھا۔ اس کی بوٹی بوٹی مسرّت سے پھڑک رہی تھی، اس نے دونوں ہاتھوں پر پیالہ رکھ کر گھٹنے ٹیک کر بادشاہ کی طرف بڑھا دیا۔

''ظل اللہ! حاضر ہے، شاہی نیت کا پھل۔ ایک انار میں پھر پیالہ چھلک گیا۔''

(ماخوذ۔ ماہنامہ کھلونا دہلی فروری ۱۹۶۴)

قدرے ترمیم کے ساتھ

بلند مرتبہ مل کر رہے گا

مائل خیرآبادی

سردی کی راتیں شروع ہو چکی تھیں۔ صفیہ اور صوفیہ دونوں بہنیں ایک مقامی انگلش میڈیم اسکول میں درجہ تین اور چار میں پڑھتی تھیں۔ وہ اپنا ہوم ورک پورا کرنے کے بعد اکثر اپنے دادا جان کو گھیر کر اُن سے کہانی سنانے کی فرمائش کرتی تھیں۔ ایک دن اسی طرح فرمائش کرنے پر دادا جان نے کہانی شروع کی۔

اب سے کئی سو سال پہلے ایک بادشاہ ہارون رشید نام کا گزرا ہے جو دین اسلام پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا اور علمائے دین کا بڑا ادب واحترام کرتا تھا۔ اس نے اپنے زمانے کے مشہور عالم دین امام ابو یوسف کو مُلک کا سب سے بڑا قاضی یعنی چیف جسٹس مقرر کیا تھا۔ امام صاحب ہارون رشید کو اس کی غلطیوں پر ٹوک دیا کرتے تھے اور وہ چپ ہو جاتا تھا۔ وہ جب کھانا کھاتا تو امام صاحب کو بھی ساتھ کھلاتا۔ ایک دن ہارون رشید کے سامنے پستہ کے تیل سے بنا ہوا فالودہ آیا۔ اس نے فالودہ امام صاحب کے آگے بڑھایا۔ فالودہ دیکھ کر امام صاحب کے آنسو نکل آئے بادشاہ نے رونے کی وجہ پوچھی تو امام صاحب نے اپنے بچپن کا قصہ اس طرح بیان فرمایا۔ آپ نے کہا:۔

”کوفہ شہر میں ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام ابراہیم تھا۔ بوڑھا ابراہیم محنت مزدوری کرتا۔ بڑھاپے کی وجہ سے مزدوری کم ملتی۔ اس کی بیوی سوت کات کر کچھ کماتی۔ ان دونوں کی کما[illegible]تی کہ گھر والے پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتے۔ بے چاروں کی یہ حالت تھی کہ صبح کو [illegible] گیا تو شام کو بھوکے سو رہے اور شام کو کھا لیا تو صبح [illegible]وکے ہی مزدوری کو چلے گئے۔

اس بوڑھے ابراہیم کا ایک لڑکا تھا۔ لڑکے کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب دس بارہ برس کا ہوا تو باپ نے سوچا کہ اسے بھی کسی کام سے لگانا چاہیے کچھ پیسے کما لائے گا، گھر کا کام چلے گا۔ یہ بات ابراہیم نے بیوی سے کہی۔ بیوی نے یعقوب کو ساتھ لیا، ایک دھوبی کے گھر گئی اور اس کے گھر پر نوکر رکھا دیا۔ مگر یعقوب کا دل کام میں نہ لگتا تھا۔ اسے علم کا بڑا شوق تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا والوں کو جو تعلیم دی ہے، اسے جانے وہ چاہتا تھا کہ اللہ کے حکموں کو پہچانے۔ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکموں کو معلوم کر کے دوسروں کو بتائے۔

دنیا میں دین پھیلائے۔

اب یعقوب یہ کرتا کہ گھر سے تو کام کے بہانے سے نکل جاتا، لیکن جا پہنچتا ایک درس گاہ میں۔ اس درس گاہ میں ایک بہت بڑے عالم صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا نام تھا ابو حنیفہؒ۔ حضرت ابو حنیفہؒ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اپنی دھن کا پکا یعقوب حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سبق لیتا رہا۔ اس طرح ایک مہینہ ہو گیا۔ مہینے کے بعد ماں باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ ''اس مہینے کی تنخواہ لائے؟'' یعقوب تنخواہ کہاں سے لاتا۔ وہ دھوبی کے یہاں کام کرنے گیا ہوتو تنخواہ لائے۔ ماں باپ نے بار بار پوچھا تو پتہ چلا کہ بیٹا امام ابو حنیفہؒ کی درس گاہ میں پڑھنے جاتا ہے۔ یہ جان کر ماں بہت خفا ہوئی۔ لڑکے کو لے کر درس گاہ پہنچی۔ امام ابو حنیفہ کے پاس گئی اور بولی ''حضرت یہ میرا لڑکا ہے میں سوت کات کات کر کماتی اور اسے پالتی ہوں، اسے میں نے کمائی کرنے کے لیے ایک دھوبی کے گھر نوکر رکھا دیا تھا، لیکن یہ آپ کے پاس چلا آتا ہے، یہ پڑھ لکھ کر کیا کرے گا۔ اسے سمجھایئے، یہ کوئی دھندہ کرے جس سے روزی چلے۔''

یہ سن کر حضرت امام ابو حنیفہ مسکرائے اور فرمایا ''اس لڑکے کو میرے پاس ہی چھوڑ جا۔ تو اسے روکھی سوکھی روٹی کھلانا چاہتی ہے اور یہ پستہ کے تیل کا بنا ہوا فالودہ کھانا چاہتا ہے۔''

ابو حنیفہؒ کے کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ تو اسے چھوٹا آدمی رکھ کر چھوٹی چھوٹی کمائی کرا کر چھوٹے کام لینا چاہتی ہے اور یہ بڑا آدمی بن کر بڑے بڑے کام کرنا چاہتا ہے۔ لیکن بوڑھی عورت کچھ نہ سمجھی۔ اسے بڑا غصہ آیا، بڑبڑاتی چلی گئی کہ اس بڈھے کی بھی مت ماری گئی ہے۔

بڑھیا چلی گئی تو امام اعظمؒ نے اس کے گھر کا پورا خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ امام صاحب کے کاروبار میں اللہ نے بڑی برکت دی تھی۔ وہ ایک بڑی رقم یعقوب کے ماں باپ کو دینے لگے۔ اور میاں یعقوب اب اطمینان سے پڑھنے لگے۔ میاں یعقوب بڑی محنت سے پڑھتے۔ حضرت امام اعظمؒ نے بھی انھیں بڑی محنت سے پڑھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں یعقوب بھی بہت بڑے عالم ہو گئے۔ حضرت امام اعظمؒ ان پر بھروسہ کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت نے وہ درسگاہ اور اپنی ساری کتابیں جن شاگردوں کو سونپیں، ان میں سے ایک یہی میاں یعقوب تھے، جو آگے چل کر ''ابو یوسف'' (یوسف کے باپ) کے نام سے مشہور ہوئے کیوں کہ آپ کے بیٹے کا نام یوسف تھا یہی ابو یوسف اس وقت آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں جن کے آگے آپ نے پستہ کے تیل سے بنا ہوا فالودہ بڑھا دیا۔

اے بادشاہ! اس وقت مجھے امام اعظمؒ کے وہ لفظ یاد آرہے ہیں جو انھوں نے میری ماں سے کہے تھے۔ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دستر خوان پر پستہ کے تیل سے بنا ہوا فالودہ پا لیا۔ اللہ کی رحمت ہو امام اعظم پر کتنی سچی بات نکلی ان کی۔''

امام ابو یوسفؒ یہ کہانی سنا کر چپ ہو گئے۔ ہارون رشید بہت خوش ہوا اور جس نے یہ کہانی سنی وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی علم کا ایسا ہی شوق عطا فرمائے۔

(ماخوذ: ''بڑوں کا بچپن''، مائل خیر آبادی)
قدرے ترمیم کے ساتھ
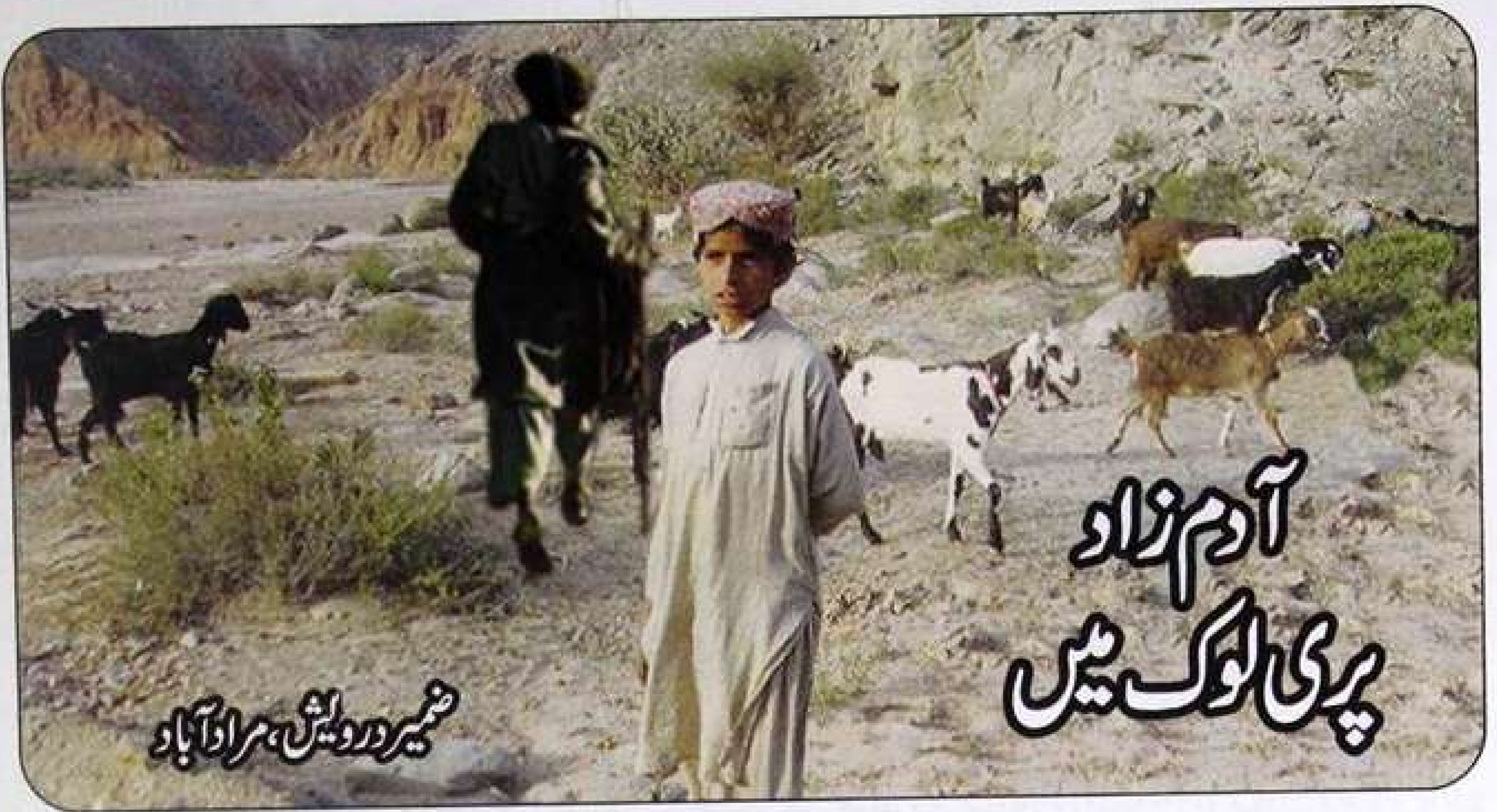
آدم زاد پری لوک میں

ضمیر درویش، مراد آباد

خالد، سہیل، اشوک اور من جیت سنگھ شہر سے گاؤں کی طرف بڑھتے بڑھتے کچھ تھک جاتے ہیں تو ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ کر سُستانے لگتے ہیں اور باتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

خالد.........'یارو، ایک مورچہ تو جیت لیا یعنی راج ایکسپورٹرس اور تاج کمپنی والوں سے پانچ پانچ ضرورت مند ہوشیار بچّوں کی پڑھائی کی ذمہ داری قبول کرالی ہے۔ اب ایسے بچّے ڈھونڈنے کے لیے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔'

اشوک.........'ہاں یار صحیح صحیح کیس ملنے چاہئیں۔ ورنہ اس مشن کو بڑا دھکّا پہونچے گا۔'

سہیل......'کام تھوڑا مشکل تو ہے ہی۔ مگر مجھے امید ہے کہ ایسے ایک دو بچّے اس گاؤں میں ضرور ملیں گے جو فرسٹ آنے کے باوجود بھی اگلی کلاس میں داخلہ نہیں لے پا رہے ہوں گے۔'

من جیت سنگھ.........'اسی طرح اگر ہم اس مشن کو آگے بڑھاتے رہے تو ملک کا بھی بھلا ہوگا اور ہمارا نام بھی سوشل ورکرس میں شمار ہونے لگے گا۔'

خالد (کچھ چیختے.........'ارے وہ کیا! دیکھو تو اس آدمی کو بکریاں چرانے والے بچّے کو کس بُری طرح پیٹ رہا ہے۔ چلو ادھر چلتے ہیں۔'

چلو چلو (چاروں اُس طرف دوڑ پڑتے ہیں)۔

ان چاروں لڑکوں کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ آدمی لڑکے کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

خالد چرواہے بچّے سے.........

'ارے بھئی کون تھا وہ آدمی جو تمہیں بُری طرح پیٹ رہا تھا؟'

'وہ میرا مالک تھا۔ آج بھی ایک بکری کم ہوگئی اس لیے پیٹ رہا تھا'

سہیل.........'بھئی تم ہمیں پوری بات بتاؤ۔ آج کل ہم نے اپنی چھٹیاں لوگوں کی خدمت میں بتانے کی

ٹھانی ہے۔'

'میں ایک شرابی باپ کا بیٹا ہوں۔ اُس نے اس آدمی سے قرض لے لے کر اتنی شراب پی کہ وہ مجھے اور میری ماں کو بے سہارا چھوڑ کر مر گیا۔ پہلے اس آدمی نے اپنا قرض وصول کرنے کے لیے میری ماں سے کھیت پر اور گھر پر اتنا کام کرایا کہ وہ بیمار پڑ کر مر گئی۔ اب میں بھی مر جاؤں گا۔'

اشوک...... 'یہ تو بال مزدوری اور بندھوا مزدوری کا کلیر کیس ہے۔ ہمیں پولیس کو اطلاع دینی چاہیے۔'

خالد...... پولیس کو ضرور اطلاع دی جائے گی۔ لیکن ذرا اس کی پوری کہانی تو سُن لیں۔ ہاں بھئی لڑکے یہ تو بتاؤ کہ بکری کیوں گُم ہو جاتی ہے۔'

'ہر پندرہویں بیسویں دن تمام نگرانی کے باوجود ایک بکری گم ہو جاتی ہے۔ یہ دیکھو اس کالی سفید بکری کے ماتھے پر نشان اُبھر آیا ہے۔ یہ آج کل میں گم ہو جائے گی اور میرا مالک میری ہڈیاں توڑے گا۔'

(سب مل کر بکری کے ماتھے پر اُبھرے نشان کو غور سے دیکھتے ہیں)

خالد...... 'ہمیں اس کیس کو سلجھانا چاہیے۔ اشوک اور سہیل تم دونوں گاؤں میں جا کر بے حد غریب طالب علموں کو تلاش کرو۔ اور من جیت تم واپس شہر چلے جاؤ اور وکیل انور علی صاحب سے اس چرواہے کے بارے میں بات کرو۔ کیا یہ بال مزدور اور بندھوا مزدور کی طرح کا کوئی کیس بنتا ہے۔ معلوم کرو، کیا کرنا چاہیے۔ اور میں آج اس بکری کی نگرانی کرتا ہوں تاکہ بکری چور بھی پکڑ میں آئے۔'

اشوک، سہیل اور من جیت چلے جاتے ہیں۔ خالد سایے کی طرح بکری کے ساتھ رہتا ہے۔ تیسرے پہر تک وہ بکری پر نظر گڑائے رہتا ہے مگر اب اُسے جھپکی آنے لگتی ہے۔ وہ چرواہے بچّے کو ہوشیار کر کے ذرا اونگھنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بکری کی چیخ پکار سُن کر ہڑبڑا کر کھڑا ہوتا ہے اور دیکھتا کیا ہے کہ سامنے جھاڑی کے قریب ایک بڑے پتھر کے پاس ہی ایک چھید میں اسی بکری کی آدھی ٹانگ پھنسی ہوئی ہے۔ خالد نے بکری کی ٹانگ کو کھینچ کر تھوڑا سا اوپر کیا لیکن کسی نے ٹانگ کو پھر اندر کی طرف کھینچ لیا۔ خالد بڑبڑاتا ہے......

'ارے یہ کیا ناٹک ہے۔ یہ پتھر کے نیچے کون ہے۔ کہیں بکریوں کا دشمن یہیں تو نہیں رہتا!'

چرواہا بچّہ حیرت سے یہ منظر دیکھتا ہے۔ خالد پتھر کو ہٹانے کے لیے زور لگاتا ہے۔ مگر وہ اس سے ہلتا بھی نہیں۔ دونوں مل کر زور لگاتے ہیں۔ مگر پتھر ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ تھک کر خالد پتھر پر ہاتھ رکھ کر کچھ سوچنے لگتا ہے۔ بکری برابر چیخ رہی ہے۔ یہ سوچنے کے لیے کہ کیا کرے جیسے ہی خالد پتھر پر بیٹھتا ہے پتھر روئی کے گالے کی طرح ہوا میں اُڑتا ہے اور پھر اس طرح پلٹا لیتا ہے کہ خالد اُس غار میں جا گرتا ہے جس کے منھ پر یہ پتھر رکھا تھا۔ اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔

خالد کو جب ہوش آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ ایک بہت

ہی خوبصورت محل کے ایک کمرے میں ہے۔ اور کسی ایسے بیڈ پر لیٹا ہے جو سونے کا بنا ہوا ہے اور اُس میں کتنے ہی ہیرے موتی جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے چاروں طرف چار پریاں اس کی دیکھ ریکھ کے لیے موجود ہیں وہ حیران ہوکر پوچھتا ہے۔

’میں کہاں ہوں اور تم کون ہو؟‘

ایک پری جو اُن میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور جس نے نیلے رنگ کا تاج پہن رکھا ہے۔ مسکرا کر جواب دیتی ہے۔

’آدم زاد تم پری لوک میں ہو۔ اور میں سب پریوں کی رانی نیلم پری ہوں۔‘

’مجھے یہاں کون لایا؟‘

’تم جس پتھر کو ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے وہ ہماری سرحد کا پتھر ہے۔ سرحد کی خلاف ورزی ہمیں برداشت نہیں۔ یہ سوچ کر کہ کہیں تم انسانوں کے جاسوس تو نہیں ہو تمہیں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اگر تم سچ مچ جاسوس ہوتے تو ہمارے راکشس تمہیں شامی کباب بنا کر کھا جاتے مگر معلومات کی گئی تو پتہ چلا کہ تم ایک شریف اور اچھے لڑکے ہو۔ غریبوں میں علم تقسیم کرتے ہو۔ اسی لیے تم سے مہمانوں جیسا سلوک کیا جارہا ہے۔‘

’مجھے میرا گھر، میرے دوست اور اسکول سب کچھ یاد آرہا ہے۔ مجھے میری دنیا میں جلد واپس بھجوادیجئے رانی صاحبہ۔‘

’ابھی ہم اپنے ایک راکشس دشمن کی وجہ سے

پریشان ہیں۔ وہ ہمارے محل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ جلدی [illegible] اپس بھیجیں اور تم اس کے ہاتھ لگ جاؤ اور وہ تمہیں ایک ہی نوالے میں چٹ [illegible] ائے۔‘

خالد کانپنے لگتا ہے۔

رانی صاحبہ.......... ’ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لو! یہ ایک جادوئی ٹوپی ہے اسے اوڑھتے ہی کوئی پری، کوئی راکشس یا کوئی جادوگر تمہیں نہیں دیکھ پائے گا۔ اور جب تک یہ ٹوپی تمہارے پاس رہے گی تمہیں اپنی دنیا کی کوئی یاد نہیں ستائے گی۔ تمہیں ایسا لگے گا کہ تم اسی پری لوک کے رہنے والے ہو۔ اور ہاں! ایک بات اور سمجھ لو کہ اس ٹوپی کو اوڑھ کر بولنا منع ہے۔ جب بھی تم کچھ بولو گے، جلتے بجھتے جگنو کی طرح سب کو دکھائی بھی دو گے۔‘

(اگلی قسط آئندہ شمارہ میں پڑھیں)

کاربن ڈائی آکسائڈ کی چوری

مشہور ماحولیاتی سائنسداں پروفیسر آزاد جانتے تھے کہ ہر سال سیال (liquid) ایندھن کے ذریعہ چلنے والی سواریوں اور کارخانوں سے خارج ہونے والے دھوئیں میں موجود کاربن ڈائی آکسائڈ نیز انسانوں اور حیوانوں کے سانس لینے سے بنی کاربن ڈائی آکسائڈ کی مجموعی مقدار لگ بھگ چار ارب ٹن ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سال بھر تک درختوں اور پودوں نیز سمندر کے پانی کے ذریعہ جذب کی گئی کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار لگ بھگ دو ارب ٹن ہی ہوتی ہے۔ یہ سوال ایک معمہ بنا ہوا تھا کہ باقی ماندہ دو ارب ٹن کاربن ڈائی آکسائڈ آخر کہاں چلی جاتی ہے۔ آج بھی وہ اپنی تجربہ گاہ (Lab) میں مختلف آلات پر تجربے کر رہے تھے کہ:

اچانک ان کی لیب میں کمپیوٹر سے جڑے ٹیلی پرنٹر کے بلب روشن ہو گئے اور اسی کے ساتھ کوئی پیغام ٹائپ ہونے لگا۔ پروفیسر آزاد نے ٹیلی پرنٹر پر نظریں جما دیں۔ ان کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا اور کمپیوٹر فوراً آن کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں خلاء (Space) کا نظارا اسکرین پر اُبھر آیا۔۔ ایک بڑا سا گولا (Object) زمین کی طرف آرہا تھا۔ لیکن یہ کوئی خطرے کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ عام طور پر جیسے ہی اس طرح کا کوئی پنڈ (object) زمینی فضا سے ٹکراتا ہے، تو تیز رگڑ (Friction) کے باعث جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس دن ایسا نہیں ہوا۔ زمین کی فضا میں داخل ہوتے ہی پنڈ کی رفتار ذرا کم ہوئی۔ تبھی خطرے کی آہٹ محسوس کر کے پروفیسر نے اپنی سائنسی تکنیک کے ذریعے 'سُپر فائن' نامی کرنوں کو فوراً پنڈ کی طرف اچھالا، جس کے نتیجے

میں پنڈ تھوڑی دیر غیر متوازن رہنے کے بعد واپس خلاء میں لوٹنے لگا۔ اسی دوران بے حد ذہین اور حاضر دماغ پروفیسر آزاد اپنی خاص سائنسی حکمت عملی سے اس پنڈ میں ایک سُپر مائکرو چپ کو چسپاں کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ پروفیسر اپنی ایڈوانس ٹکنالوجی سے آراستہ لیب میں برسوں سے کر رہے تجربوں اور مُشاہدوں کے بعد اب اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ دور سے سیارچہ دکھائی دینے والی چیز دراصل خلائی اسٹیشن ہے، جس کو کسی نا معلوم سیارے سے آئے باشندوں کے ذریعے خلاء میں بھیجا گیا تھا۔ یقیناً وہی ہماری زمین کی کاربن ڈائی آکسائڈ کی چوری کرتے ہیں۔

''لیکن وہ ایسا کیوں کریں گے؟'' پروفیسر گہری سوچ میں پڑ گئے۔ تبھی لیب کا ایک خاص سسٹم لینگویج ٹرانسفارمر پک پک کرنے لگا۔ پروفیسر نے فوراً اُس سسٹم کا سوئچ آن کر دیا...... اور آواز سننے لگے، جو اُس خلائی اسٹیشن پر موجود دو سائنسدانوں کی آپسی بات چیت تھی۔ پروفیسر آزاد نے اب تک جو کچھ بھی سنا اور سمجھا، اس کا نچوڑ یہ تھا کہ عرصے سے وہ خلائی اسٹیشن، جسے دنیا والے سیارچہ سمجھ رہے تھے کسی دوسری خلائی دنیا کے لئے کاربن ڈائی آکسائڈ سپلائی کر رہا تھا۔ یعنی متعلقہ سیارے کے باشندے اپنی بقا کے لئے آکسیجن کے بجائے کاربن ڈائی آکسائیڈ کا سہارا لیتے تھے۔

خلائی اسٹیشن میں موجود خلائی سائنسداں ایکس (x) نے کہا ''مسٹر وائی (y)، ہمارے سیارے (Planet) کا کاربن ڈائی آکسائیڈ کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ اور انسانوں کی زمین سے ہم اپنی حیات بخش ضرورت آسانی سے پوری کر رہے ہیں اور آگے بھی کرتے رہیں گے۔ میری جانکاری کے مطابق ہر سال ۲/ارب ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ زمین پر پھیلے سمندر اور پیڑ پودے جذب کر لیتے ہیں، جو ہم خلائی باشندوں کے لئے اچھی بات نہیں ہے''

''تو اس کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' مسٹر وائی نے پوچھا۔

''ہم اپنی ایجاد کردہ بائیکوجین نامی بیکٹیریا سمندروں میں چھڑک دیں۔ اور پیڑ پودوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے کاربوجین گیس فضا میں گھول دیں۔'' مسٹر ایکس نے جواب دیا۔

''لیکن اس سے ہمیں کیا ملے گا؟'' پروفیسر وائی نے جاننا چاہا۔

''ہمارے پلانیٹ (Planet) کے باشندوں کو ہر سال ۴/ارب ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ زمین پر ہر سال اتنی مقدار میں یہ گیس تیار ہوتی ہے، جس میں آدھا حصّہ زمینی سمندر اور پیڑ پودے جذب کر لیا کرتے ہیں۔ اگر ہم زمین سے سمندروں کا خاتمہ کر دیں اور درختوں کا صفایا کراتے ہوئے ہر طرف آلودگی پھیلا دیں تو ہمیں چار ارب ٹن سے زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس آسانی سے فراہم ہو جائے گی۔ یہ گیس ہمارے سیارے اور وہاں کے لوگوں کے لئے کتنا گمبھیر مسئلہ بنا ہوا ہے، اس

خطرناک حقیقت سے آپ بخوبی واقف ہیں مسٹر وائی۔ اس کیلئے ہر سال ہمیں کتنی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔''
پروفیسر ایکس نے اپنی بات پوری کی۔
''آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' پروفیسر وائی کے لہجے میں تجسس تھا۔
''زمیں پر ہمارا قبضہ!'' پروفیسر ایکس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔
''کیا بات ہے۔'' پروفیسر وائی خوشی سے جھوم اٹھے۔
پروفیسر ایکس مزید بولے۔ ''زمین پر رہنے والے لالچی انسانوں کے علاوہ جنگل مافیاؤں کو جب ہم دھن دولت کی لالچ دیں گے تو وہ جنگلوں کا صفایا کر دیں گے۔ اور آلودگی کے معاملے میں تو وہ بالکل بے پروا ہیں۔ ہمارے بہکانے پر وہ اپنے زمینی مسکن کو کوڑے دان کے ڈھیر میں تبدیل کر دیں گے۔ یہ زمینی باشندے اپنے مادّی فائدے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دور میں ذہنی و جسمانی گندگی زمینی باشندوں کی جیسے عادت بن گئی ہو۔ بات بات پر لڑنے جھگڑنے کے لئے بدنام یہ زمینی لوگ ترقی کے معاملے میں خلائی باشندوں کا کیا خاک مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہم ان کی اسی ناقص سوچ کا فائدہ اٹھائیں گے۔''
''آپ صحیح کہہ رہے ہیں پروفیسر ایکس۔ لیکن کسی وجہ سے آپ کا پلان اگر کامیاب نہیں ہوا تو....؟ کیونکہ زمین پر کچھ ایسی مہان ہستیاں بھی ہر دور میں جنم لیتی رہتی ہیں، جو اپنی دنیا اور سماج کی بہتری کیلئے بڑے بڑے کارناموں اور قربانیوں کی مثال قائم کرتے ہیں۔''
پروفیسر وائی کی بات کا جواب ایکس نے یوں دیا، ''آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں مسٹر ایکس کہ ہم خلائی لوگ انسانوں سے کئی گنا زیادہ ذہین اور قابل ہوا کرتے ہیں۔ زمینی لوگ ہم پر کبھی مسلط نہیں ہو سکتے۔''
''آکسیجن کی کمی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زیادتی سے دنیا کے لگ بھگ تین سو کروڑ لوگ مر جائیں گے اور باقی جو بچیں گے، وہ ہمارے غلام بن کر رہیں گے۔ ارے بھئی، ہم اُن سے کہیں زیادہ جینیس ٹھہرے، آخر کاربن ڈائی آکسائیڈ مسلسل حاصل کرنے کے لئے انسانوں کی کچھ آبادی کو تو ہمیں زندہ رکھنا ہی پڑے گا۔''
ادھر پروفیسر آزاد اپنے لیب میں خلائی اسٹیشن سے مائکروچپ کے ذریعے نشر ہونے والی اُن دونوں خلائی سائنسدانوں کی باتیں سن کر گہری فکر میں ڈوب گئے۔ آخر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ دوسرے سیارے کے باشندے ہماری بے حسی کا فائدہ اٹھا کر ہماری زمین پر آبسیں گے... اور ہم پر حکومت کریں گے۔ ہم اشرف المخلوقات ہو کر بھی ان کے غلام بن جائیں گے؟ آخر ہم کب خواب غفلت سے بیدار ہوں گے؟
پروفیسر آزاد نے اک لمبی سرد آہ بھری، پھر خود کو سنبھالنے کے بعد ان دونوں خلائی سائنسدانوں کی باتوں کو مزید سُننے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر اس بار انہیں کامیابی نہیں ملی، کیونکہ اچانک کھٹ کی آواز کے ساتھ مائکروچپ نے کمپیوٹر کو پیغام بھیجنا بند کر دیا تھا۔ شاید اس اُڑن طشتری میں چپکائے گئے چپ کا راز فاش ہو گیا تھا اور اُسے ضائع کر دیا گیا تھا۔

ہوا کا وزن

خالقِ کائنات نے ہمارے چاروں طرف جو ہوا پھیلا رکھی ہے اس کو ہم محسوس تو کرتے ہیں لیکن نہ تو آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہاتھ سے پکڑ سکتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دوسری مادّی چیزوں کی طرح ہوا میں بھاری پن یا وزن بھی ہوتا ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے ایک تجربہ کرکے دیکھتے ہیں۔

لگ بھگ دو فٹ (۷۰ سینٹی میٹر) لمبی بانس کی قدرے موٹی تیلی لیں۔ دونوں سروں کے پاس لگ بھگ ڈیڑھ سینٹی میٹر (آدھا انچ) دوری پر چاقو سے ہلکا سا شگاف تیلی کی گولائی میں بنالیں اور اسی طرح کا شگاف تیلی کے بالکل بیچ میں بنالیں۔ موٹے دھاگے کے لگ بھگ آٹھ انچ لمبائی کے دو ٹکڑے لے کر اُن کا ایک سرا دونوں کناروں والے شگاف میں باندھ دیں اور چار انچ لمبائی کا ٹکڑا تیلی کے بیچ میں بنائے گئے شگاف میں باندھ دیں اور اس کے دوسرے سرے پر ایک گرہ لگا دیں تاکہ ترازو کی طرح اٹھانے میں آسانی ہو۔

ہوا بھرا غبارہ
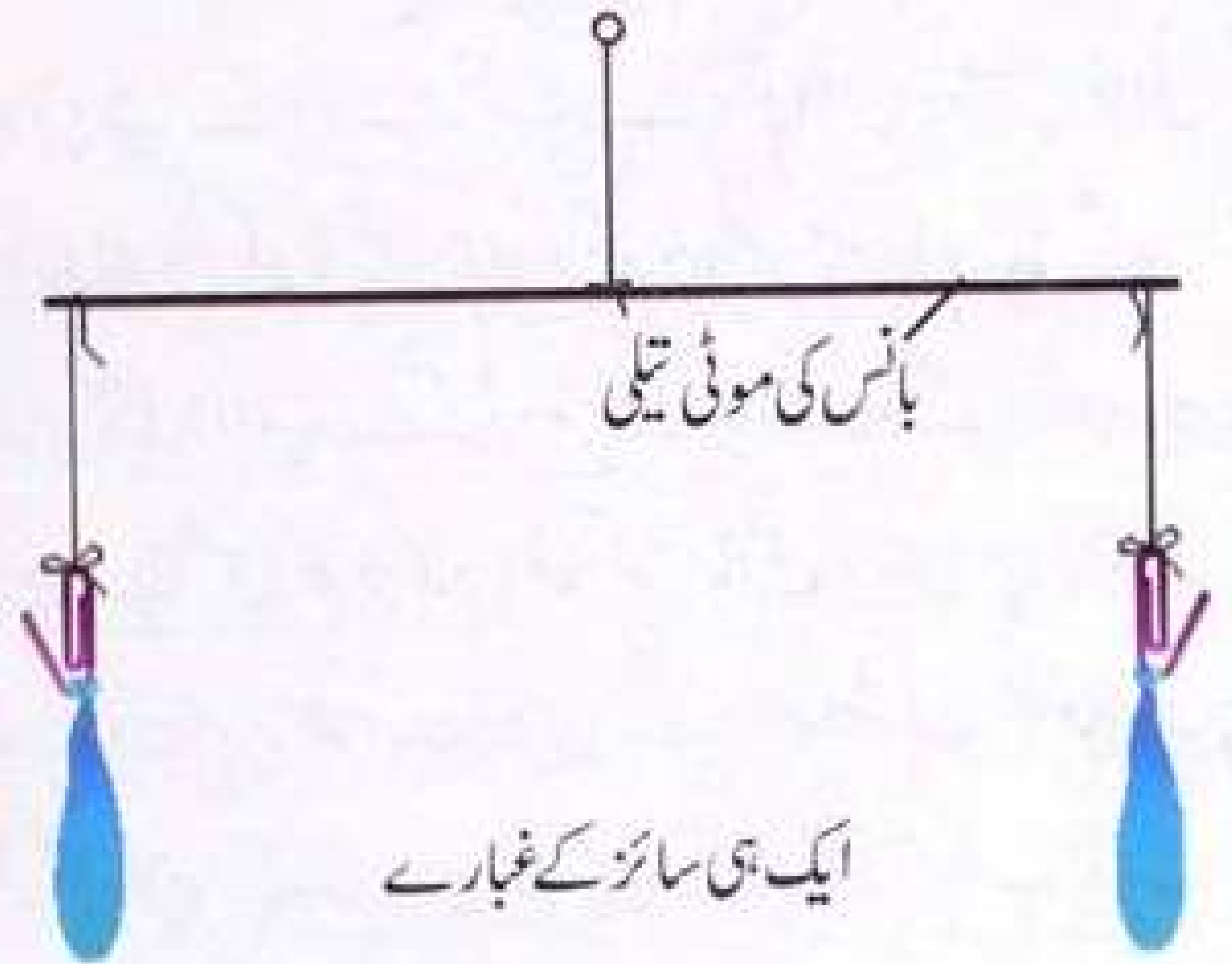
ایک ہی سائز کے غبارے

اب دونوں کناروں پر باندھے گئے دھاگوں کے دوسرے سرے پر ایک ہی سائز کا بچوں کا ایک ایک غبارہ باندھ دیں۔ بیچ میں باندھے گئے دھاگے کو اٹھا کر دیکھیں کہ آپ کے اس ترازو کے دونوں پلڑوں کا وزن برابر ہے یا نہیں اگر کسی سرے کا وزن کم ہو تو اس طرف تھوڑا دھاگا لپیٹ کر اس کا وزن بڑھالیں۔ اگر وزن میں زیادہ فرق ہو تو جو سرا بھاری ہے اس طرف کے سرے کو چاقو سے اتنا چھیلیں کہ دونوں سروں کا وزن برابر ہو جائے۔ اب کسی ایک طرف کے غبارے میں ہوا بھر کر پھلائیں اور دھاگے سے باندھ کر لٹکائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ درمیانی دھاگے کو اٹھانے پر ترازو کا وہ پلڑا جس میں ہوا بھرا ہوا غبارہ باندھا گیا ہے نیچے چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہوا کے وزن یا بھاری پن کی بنا پر ہوا۔

مکھی اور مچھر کی خط و کتابت

متین اچل پوری

(الف) مکھی کا خط مچھر کے نام

پیارے مچھر بھائی! جہاں ہو، وہیں خوش رہو۔

خبردار، ادھر آنے کی بھول مت کرنا۔ ایسا کرنا موت کو دعوت دینا ہوگا۔ یہ نئے کرایہ دار تو بڑے ظالم ثابت ہوئے۔ میں نے آج جیسے ہی اس گھر میں قدم رکھا دل دھک سے رہ گیا۔ صاف ستھرا آنگن، آئینے کی طرح چم چم کرتا ہوا دالان، دیواروں پر اتری ہوئی چاندنی، دروازوں اور کھڑکیوں پر پھلجھڑیاں سی چھوڑتا ہوا خوشنما رنگ وروغن۔ گھر کے سارے افراد ایسے جیسے صفائی کو اپنا ایمان سمجھنے والے فرشتے۔ مجھے تو صفائی ستھرائی کا یہ تماشہ دیکھ کر بجلی کا جھٹکا سا لگا، سچ مچ جیسے میں نے دوزخ میں قدم رکھ دیا ہو۔

اس گھر میں نہ اب میرے لیے کوئی گوشۂ عافیت ہے نہ تمہیں پیر پھیلانے کے لیے کوئی جگہ۔ تمہاری وہ سب من پسند نالیاں انڈر گراؤنڈ ہو چکی ہیں۔ آنگن کے چاروں کونوں میں جو دل لبھانے والے کوڑے کے ڈھیر تھے ان کی جگہ خوشنما گملوں میں چھوٹے بڑے رنگ برنگے پھول۔ کچھ پھولوں کو تو دھنک رنگ تتلیوں نے اپنا ہیلی پیڈ بنا رکھا ہے۔ اور ہاں جہاں پرانے کرایہ دار پان چبا چبا کر تھوکا کرتے تھے نا! اس جگہ سفید بے داغ واش بیسن دیکھ کر تو میری جان ہی جل گئی۔

دستر خوان صاف ستھرا، مرتبان ڈھکے ہوئے۔ کچن میں پہنچی تو ایسا لگا جیسے کسی شوروم میں آ گئی ہوں۔ دھلے دھلائے چمکتے دمکتے برتنوں نے تو دل پر جیسے سیکڑوں بجلیاں گرا دیں۔ گھر کے چھوٹے بڑے افراد میں ہمارے حساب سے کوئی ایک ڈھنگ کا نہیں۔ لباس پر نگاہ ڈالیے یا جسم ٹٹولیے بالکل پاک صاف۔ ہر طرف صفائی اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ کھانے پینے میں بھی وہ سلیقہ اور احتیاط کہ کوئی شکر خورہ شکر ہتھیلی پر رکھ کر پھانکے تو مجال ہے کوئی ایک دانہ فرش پر گر جائے۔ بڑے بھی ایک سلیقے سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور بچے بھی قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔

پرانے کرائے دار کی کون کون سی خوبیوں کا حال بیان کروں، نئے کرائے دار کی کس کس برائی کا ذکر کروں۔ آخر میں بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ میں بھی یہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلتی ہوں اور تم بھی اس جہنم میں قدم رکھنے کا خیال دل میں نہ لانا۔ اب اس جگہ نہ تمہارے راگ کی گنجائش ہے نہ میرے نغمے کی۔

فقط

تمہاری ہیضہ نواز بہن 'مکھی'
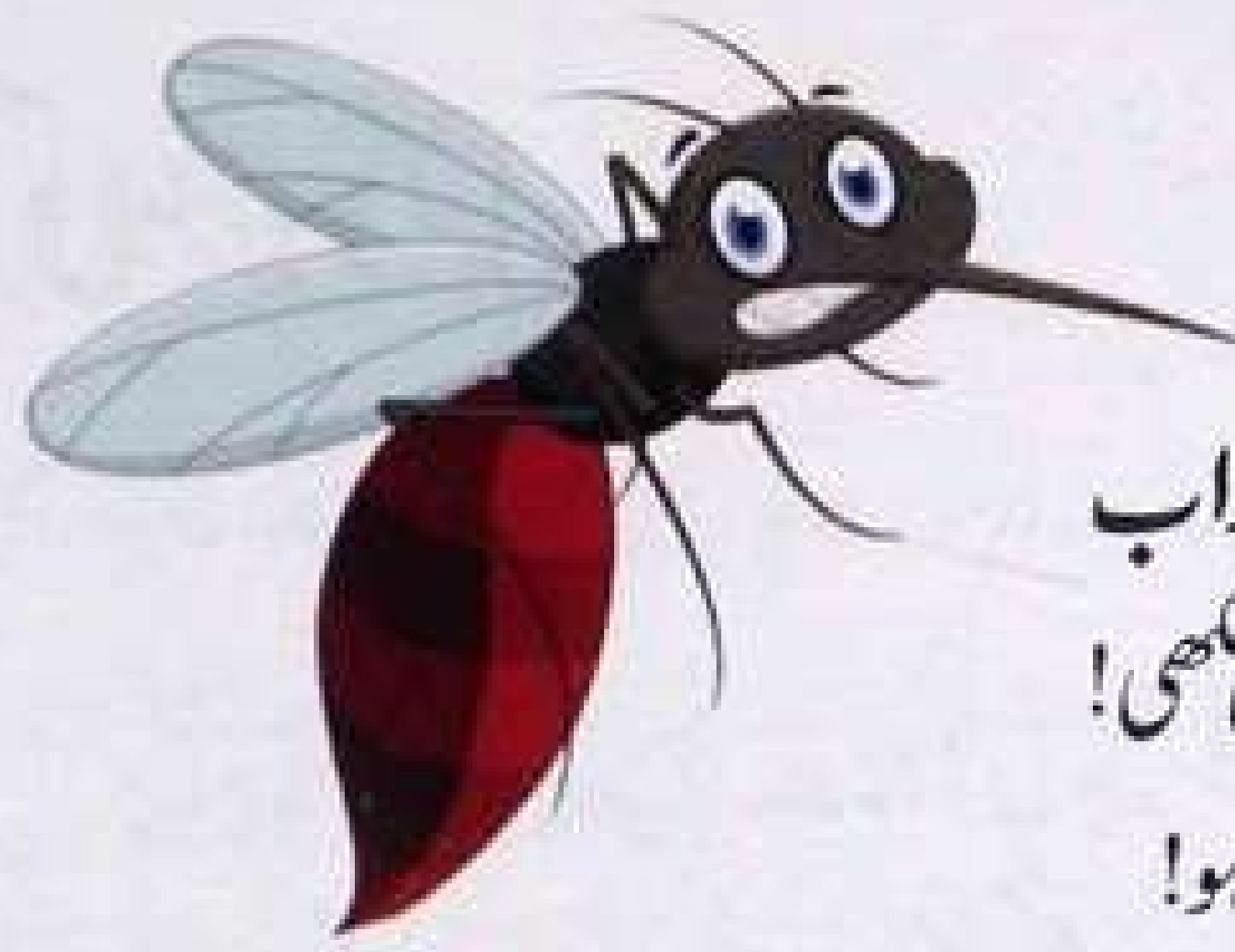
(ب) مچھر کا جواب

پیاری بہن مکھی!

سلامت رہو!

تمہارا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔

لیکن بہن! مایوس مت ہو۔ تمہارے یہ حالات ضرور بدلیں گے۔ جو لوگ آج صفائی ستھرائی کی طرف توجہ دے رہے ہیں وہ ضرور موبائیل فون کی طرف توجہ دیں گے۔ اسمارٹ فون نام کا شیطان ان کو اپنی لپیٹ میں ایسا لے گا کہ انھیں صفائی ستھرائی کا ہوش نہیں رہے گا۔ بہن! میری بات پر تم یقین کرو۔ یہ موبائیل فون ہے ہی ایسی چیز۔ جتنا پسندیدہ تمہیں گندگی کا ڈھیر ہوا کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس جادوئی ڈبیا کو انسان پسند کرنے لگا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت کم گھرانے ایسے رہ گئے ہیں جن پر اس کا جادو نہیں چل پایا ہے۔ صبح ہو یا شام انہیں بس اس سے ہے کام۔

بہن! دل چھوٹا نہ کرو۔ ذرا ہمت سے کام لے کر ادھر اُدھر گھروں میں جھانکو۔ افراد خانہ کا جائزہ لو۔ جہاں دیکھو کہ گھر کے تمام افراد، مرد عورتیں، بچّے بزرگ سب کے سب موبائیل فون کی رنگا رنگ اور خوشنما دنیا میں کھوئے ہوئے ہیں سمجھنا تمہارے جیون کی نیا کنارے لگ گئی۔ بے کھٹک اس گھر میں داخل ہو جانا اور زندگی کے مزے لوٹنا۔

خیر اندیش تمہارا بھائی مچّھر

(ج) مکھی کا دوسرا خط

پیارے مچھر بھائی! سلامتی کی دعائیں۔!

تمہارا خط ملا۔ جان میں جان آئی۔ میں تو حوصلہ کھو چکی تھی۔ تمہاری تحریر نے میرے زندگی میں امید کے چراغ روشن کر دیے۔

بھائی مچھر! تمہاری بات سو فیصد درست نکلی۔ میں نے اطراف کے گھروں کا جائزہ لیا تو میرے من کی مراد پوری ہوگئی۔ سچ مچ اس موبائیل فون نے آدمی کو کہیں کا نہیں رکھا۔ عورتیں اور بچے تو اس قدر دیوانے ہو گئے ہیں کہ صفائی ستھرائی کی طرف اُن کا دھیان ہی نہیں جاتا۔

بھیا! موبائیل فون کے رنگوں میں یہ لوگ اس قدر ڈوبے رہتے ہیں کہ کھانے کے مرتبانوں کو ڈھکنا بھول جاتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرا تو ہر روز روزِ عید ہے اور ہر شب شب برات۔

اور پھر آدمی کے کھان پان کا طریقہ کیا بدلا کہ میرے تو وارے نیارے ہو گئے۔

تم پوچھو گے کہ وہ کیسے؟

تو میرے بھائی! وہ ایسے کہ آجکل دعوتوں میں نہ شطرنجیاں بچھائی جاتی ہیں نہ دستر خوان سجائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ ادب اور شائستگی سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ اب تو بفے کی بھیڑ بھاڑ میں کھانوں کی خوب ستیاناسی ہوتی ہے۔ راستے کے نکڑوں پر پھینکے گئے کھانوں کی سڑاند سے میں اور میری سہیلیاں جو لطف اٹھاتی ہیں اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ عیش و عشرت کی ایسی زندگی ہمیں کبھی میسر نہیں آئی تھی۔ فقط

تمہاری بہن 'مکھی'

چلو بحرین گھوم آویں

سید ضیاء الحسن، لکھنؤ

نانی امّی بچوں میں بہت مقبول تھیں اور کیوں نہ ہوتیں بڑی مزیدار کہانیاں اور قصے سناتی تھیں۔ جب وہ عمرہ کر کے اور دمام، ریاض اور بحرین گھوم کر واپس آئیں تو سب لوگ ان سے ملنے آئے، رات میں کھانا کھانے اور نماز سے فراغت کے بعد بچوں نے حسب معمول نانی کو گھیر کر ان سے کہانی سنانے کی فرمائش کردی۔ پہلے تو انھوں نے سفر کی تکان کا بہانہ کیا، لیکن بچوں کے اصرار پر وہ بولیں۔ اچھا آج میں تم لوگوں کو بحرین کے سمندر کے بارے میں بتاؤں گی۔ پھر انھوں نے اپنے سفر کی دلچسپ باتیں سنانی شروع کیں اور کہا:

بچو! تمھارے لیے شاید یہ نئی بات ہو کہ اُس وقت سعودی عرب میں عورتوں کو کار ڈرائیونگ کی اجازت نہیں تھی، لیکن بحرین میں جو سعودی عرب کی طرح اسلامی ملک ہے، عورتیں ڈرائیونگ کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ یہ اتفاق دیکھو کہ تمھارے صہیب چچا ہمارے بحرین پہنچنے سے ایک یوم قبل اچانک ایک ضروری کام سے امریکہ چلے گئے لیکن ماریہ چاچی نے (جو وہاں ایک اسکول میں ٹیچر ہیں) صہیب کی کمی محسوس نہ ہونے دی، خود اپنی گاڑی ڈرائیو کر کے ایئرپورٹ آئیں، ہمیں خوش آمدید کہا اور اپنے ہمراہ ہمیں اپنے گھر لے گئیں۔ تھوڑی دیر اپنے یہاں روک کر چائے پانی سے ہماری ضیافت کی پھر ہم کو ہمارے شمو بھائی جان (شمس الحق علوی) کے یہاں پہنچادیا جو بے چینی سے ہمارا انتظام کر رہے تھے۔ ہمارے قیام کا انتظام انہی کے گھر پر تھا۔ دو یوم ہم لوگ گھر پر ہی رہے، وہیں ہم سے ملنے کے

لیے وہاں والے اعزہ آتے رہے، لیکن تیسرا دن ہمارا کہیں کوئی پروگرام نہ تھا...... شمو بھائی جان نے کہا تم لوگ تیار ہو جاؤ۔ چلو ذرا شہر کی سیر کرا لاؤں۔ پندرہ منٹ کے بعد ہماری کار بحرین کی خوبصورت اور شاندار سڑکوں پر دوڑ رہی تھی ...... راستہ میں انہوں نے مختصراً 'بحرین' کی وجہ تسمیہ بتلائی اور کہا کہ قرآن شریف میں لفظ ''بحرین'' دو جگہ آیا ہے۔ (ایک ۱۹ویں پارہ میں سورۂ فرقان آیت ۵۳ میں اور ایک سورۂ رحمٰن آیت ۹۱ میں) دراصل بحرین کے معنی ہیں ''دو سمندر'' دیکھنے میں تو یہ ایک ہی سمندر نظر آتا ہے، لیکن اس میں اللہ کی قدرت پوشیدہ ہے کیونکہ ایک میں میٹھا پانی ہے اور دوسرے میں کھارا پانی اور دونوں کے پانی الگ الگ بہتے ہیں۔ بچے تعجب سے پوچھنے لگے۔ نانی امّی! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ دونوں پانی تو مل جاتے ہوں گے؟ نانی امّی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ اسی سے تو اللہ کی قدرت نظر آتی ہے۔ دونوں پانیوں کے درمیان اللہ نے ایک ایسا پردہ تان دیا ہے جو کھارے پانی کو میٹھا اور میٹھے پانی کو کھارا نہیں ہونے دیتا اور یہ پردہ کسی انسانی آنکھ کو دکھائی نہیں دیتا۔ بعض جگہوں پر تو میلوں چلے جائیے آپ کو میٹھے اور کھارے پانی کی لہریں بہتی ملیں گی، لیکن کیا مجال کہ ایک پانی دوسرے پانی کو متاثر کردے...... بہرحال یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی لیے اس پورے علاقہ کو ''بحرین'' کہتے ہیں یعنی دو سمندروں والا ملک۔ صائمہ اور ناجیہ بولیں۔ ہاں ہاں ہمارے الہ آباد میں بھی تو گنگا اور جمنا کا سنگم ہے۔ وہاں بھی دونوں دریاؤں کا پانی الگ الگ رنگ کا ہے۔ رمیز اور حسن نے کہا، لیکن یہاں دونوں دریاؤں کا پانی آگے چل کر مل جاتا ہے۔ نانی امّی بولیں۔۔ اچھا تم لوگ آپس میں لڑو نہیں۔۔ اس کے بعد جب سب خاموش ہو گئے تو انہوں نے سلسلہ پھر شروع کیا اور بتایا کہ شمو بھائی جان بحرین کی مشہور اور خوبصورت عمارتوں کا تعارف اور مختصر تذکرہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ایک جگہ پہنچ کر بولے: یہ بحرین کا سب سے بڑا اور خوبصورت نیز مشہور سپر مارکیٹ یا ''مال'' ہے۔ عمارت کے نیچے شاندار کار پارکنگ تھی۔ وہاں گاڑی پارک کی اور لفٹ سے اوپر مال میں پہنچ گئے۔ اندر سے پوری عمارت ایئر کنڈیشنڈ تھی اور یہاں دنیا جہان کی معمولی، قیمتی الغرض ہر قسم کی دوکانیں موجود تھیں حتیٰ کہ سبزی ترکاری اور گوشت مچھلی سبھی کچھ یہاں مل جاتا ہے...... ہم لوگوں کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے کچھ تحفے خریدے۔ پھر وہیں ایک ٹی اسٹال پر چائے پی اور باہر نکل آئے۔

اب ہماری دوسری منزل 'کازوے' (Cause Way) تھا۔ شمو بھائی جان بتا رہے تھے کہ بحرین اور سعودی عرب دو الگ الگ مسلم ممالک ہیں اور دونوں ہی پٹرول اور قیمتی معدنیات کے ذخیروں سے مالامال۔ ان دونوں کے درمیان بحر عرب یعنی سمندر حائل ہے۔ دونوں ملکوں نے سیاسی مصلحت، فروغ تجارت اور دیگر مفادات کے پیش نظر دمام اور بحرین کے درمیان سمندر پر پچیس (25) کلو میٹر لمبا ایک پل بنالیا ہے جسے Cause Way یعنی سمندری پل کہتے ہیں (یہ پل کنگ فہد برج کے نام سے بھی مشہور ہے) اس پل کے نصف حصّہ کی حفاظت، دیکھ ریکھ، ٹوٹ پھوٹ اور مرمت کی ذمہ داری (دمام)

سعودی حکومت کی ہے جب کہ بقیہ نصف حصہ یعنی ساڑھے بارہ کلومیٹر کی ذمہ داری بحرین کی ہے۔ دونوں ملکوں نے سمندر کے عین درمیان میں سرحد متعین کر لی ہے اور سرحدوں کے اختتام پر دونوں نے ایک ایک مینار (ٹاور) بنا لیے ہیں جن کی چوٹی پر رات بھر لائٹ جلتی رہتی ہے اور دور سے آنے والے جہازوں (Ships) کو سمت متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ پل دونوں ملکوں کے لیے تو مفید ہے ہی خاص طور سے دمام اور بحرین کے عوام کے لئے بڑا فائدہ مند ہے۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ فاصلہ بہت کم ہو گیا ہے۔ جن لوگوں کے پاس ملٹی پل ویزا (Multiple Visa) ہے وہ محض آدھے گھنٹہ کی ڈرائیونگ سے بحرین یا دمام پہنچ جاتے ہیں اور اپنا کام مکمل کر کے واپس لوٹ آتے ہیں۔ سچ پوچھو تو ایسا لگتا ہے جیسے بحرین اور دمام ایک ہی شہر کے دو محلے ہوں......

ہماری باتیں ابھی ختم بھی نہیں ہو پائی تھیں کہ سامنے دو عدد بڑے اونچے ٹاور دکھائی دیے۔ پہلے پُل کی تفصیل سنو۔

یہ پل عجب طلسماتی کیفیت کا مالک ہے۔ تا حد نظر پانی ہی پانی۔ دیکھ کر ڈر لگتا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہماری کار پانی پر تیر رہی ہے۔ یہ پل بعض جگہوں پر بہت اونچا اور بعض جگہوں پر بہت نیچا۔ ہم نے دریافت کیا کہ ''یہ پل اونچا نیچا بنانے کی کیا وجہ ہے؟ شروع سے آخر تک ایک ہی لیول (Level) میں کیوں نہیں بنایا گیا؟'' شمو بھائی جان نے بتایا کہ درحقیقت جن جگہوں پر پل کی اونچائی زیادہ ہے وہ اس لیے ہے کہ پانی کے جہاز (Ship) اس پل کے نیچے سے بہ آسانی گزر سکیں...... کہنے لگے کہ وہ منظر بھی بڑا دلکش ہوتا ہے جب آپ پل پر ہوں اور دیو قامت جہاز نیچے سے گزر رہا ہو......الغرض ہم لوگ بحرین کی سرحد پر پہنچ گئے۔ بہت بڑا خوبصورت پارک نظر آیا، چاروں طرف رنگ برنگے پھول کیاریوں میں کھلے ہوئے تھے جو ٹاور کے حسن میں اضافہ کر رہے تھے......

بیچوں بیچ ٹاور......اوپر جانے کے لیے ٹکٹ لیا گیا اور شیشہ کی خوبصورت لفٹ سے ہم لوگ ٹاور کی آٹھویں منزل پر پہنچ گئے۔ اوپر بھی چاروں طرف شیشے لگے تھے۔ اب ہم وہاں سے چاروں طرف کا نظارہ کر سکتے تھے، لیکن وہاں ہمیں آس پاس زمین، عمارتیں یا مکانات نام کی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ بس پانی ہی پانی جدھر دیکھیے پانی......تا حد نظر پانی......شام ہو رہی تھی......سورج کی سنہری ٹکیہ پانی میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا......سمندر کے اوپر اندھیرے کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔ دور بہت دور جو پانی کے جہاز آ رہے تھے بس ان کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ جہاز کی شکل نہیں......یہیں آٹھویں منزل پر چائے کا ہوٹل بھی تھا۔ گھوم پھر کر جب تھک گئے تو چائے کی خواہش ہوئی لہٰذا آ کر ہوٹل میں بیٹھ گئے۔ چائے کا آرڈر دیا گیا، چائے آئی۔ مزے لے لے کر چائے پی گئی اور پھر چلنے کی تیاری۔ اسی شیشہ کی لفٹ سے نیچے اترے......کوئی پچاس گز کے فاصلے پر اسی جیسا ایک دوسرا ٹاور تھا، لیکن وہ سعودی سرحد پر تھا۔ اندازہ ہے کہ وہ اس سے ملتا جلتا ہوگا۔ ہم لوگ اس کو دیکھے بغیر واپس گھر آ گئے۔

بہ شکریہ ماہنامہ ''امنگ''، دہلی

جیسے اللہ رکھے

مرتضیٰ ساحل تسلیمی، رامپور

آج میں آپ کو اپنی ایک آپ بیتی سناتا ہوں...... وہ آپ بیتی جسے میں کبھی نہیں بھولتا اور جب یاد آجاتی ہے تو جسم میں شدید جھرجھری آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور مہربانی کا احساس تازہ ہوجاتا ہے......

یہ اُس وقت کی بات ہے جب میری عمر دس سال سے کچھ ہی زیادہ رہی ہوگی۔ میں پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا...... ہوا یہ کہ ایک دن میری والدہ، بڑی بہن اور چھوٹے بھائی ایک عزیز کے یہاں کسی تقریب میں شریک ہونے کے لیے اپنے ضلع ہی کے کسی گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ گھر پر میں، والد صاحب اور بہنوئی رہ گئے تھے۔

بہنوئی صاحب شہر کی حدود سے متصل ایک پرائیویٹ بس چلاتے تھے۔ جو رامپور کی ہی ایک تحصیل شاہ آباد تک جاتی تھی۔ شام کو واپس گھر آجاتے تھے۔ بہنوئی صاحب اپنے ساتھ ایک دودھ کا برتن لے جاتے اور بس اسٹینڈ کے برابر ایک کھپریل میں بنے چائے کے مالک کے پاس چھوڑ دیتے...... چائے والا اپنے دودھ کے ساتھ ہی ہمارے برتن میں بھی دودھ لے لیتا اور اسے گرم کرکے رکھ دیتا۔ بہنوئی صاحب جب شام کو گھر واپس آتے تو دودھ کی کین سائیکل میں ٹانگ کر لے آتے۔ گرم ہوجانے کی وجہ سے دودھ پھٹتا بھی نہیں تھا اور ہمیں اچھا دودھ مل جاتا تھا۔ یہ دودھ رات میں ایک دو لوگ پی لیتے جو باقی بچ جاتا وہ صبح کی چائے میں استعمال ہوتا۔

اُس دن بھی بہنوئی صاحب دودھ لے آئے جب ہم تین کے علاوہ سارے لوگ گاؤں گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے دودھ کا برتن عادتاً نعمت خانے میں رکھ دیا۔ اُن دنوں فرج ہر گھر میں کہاں ہوتے تھے؟ لکڑی کے جالی دار نعمت خانے ہی ہوتے تھے۔

عشا کے وقت والد صاحب نے مجھ سے کہا......

''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے تم دودھ نکال کر پی لو......
اور بہنوئی کو بھی پلا دو صبح کو چائے کے لیے تھوڑا دودھ چھوڑ
دینا۔''

میں نے کہا...... ''میں بھی نہیں پیوں گا۔ میرا پیٹ
خوب بھرا ہوا ہے۔'' انھوں نے ایک دوبار کہا پھر خاموش
ہو گئے۔ بہنوئی سے پوچھا تو بولے۔ ''میں تو کھانا بھی نہیں
کھاؤں گا۔ ایک دوست نے اپنے گھر لے جا کر مجھے کھانا
کھلا دیا ہے۔''

غرض کہ کسی نے اُس رات دودھ نہیں پیا اور دودھ کی
کین بدستور بند رہی۔ صبح ہم نے چائے بنائی اور دودھ
بھگونے میں نکال کر رکھا تاکہ چائے میں ڈالنے سے قبل
گرم کر لیں...... مگر یہ کیا؟ دودھ تو بالکل پیلا تھا۔ ہم حیران
ہوئے کہ یہ کیسا دودھ ہے۔ دودھ کی کین کو غور سے جھانک
کر دیکھا تو اس میں ایک خاصی فربہ چھپکلی تھی جو برتن تنگ
ہونے کی وجہ سے بھگونے میں نہیں گر سکی تھی۔ ہم سوچنے
لگے کہ یہ کیسے دودھ میں گری؟ ظاہر ہے گھر پر ہم میں سے
کسی نے دودھ دان کھولا بھی نہیں تھا......

ہوا یہ کہ بس اسٹینڈ کے چائے بیچنے والے نے دودھ
لے کر اُسے بھٹی پر گرم کیا اور پھر ٹھنڈا ہونے کے لیے اس
کو کُھلا چھوڑ دیا۔ دودھ ٹھنڈا کرنے کے دوران ہی کھپریل
سے چھپکلی دودھ میں گر گئی۔ چائے والے کو علم نہ ہو سکا اُس
نے ڈھکن بند کر کے رکھ دیا جسے بہنوئی صاحب گھر لے
آئے......

یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ اُس نے ہمیں اس

زہریلے دودھ کے استعمال سے باز رکھا اور صبح کو سارا راز
کھل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچا لیا ورنہ دودھ جس قدر زہریلا
ہو چکا تھا اُسے پی کر کسی کا بھی زندہ بچنا ممکن نہ ہوتا......
اس سانحہ پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم
ہے...... بے شک وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت۔
پچپن (۵۵) سال ہو گئے اس سانحہ کو میں کبھی نہیں بھلا پایا
...... یہ کہاوت تو مشہور ہی ہے کہ ''جسے اللہ رکھے اُسے کون
چکھے۔''

(ماخوذ: ''جہادِ زندگانی میں''، مرتضیٰ ساحل تسلیمی)

'میرا طوطا اردو بولے'

ڈاکٹر مجاہد فراز، مراد آباد

میں نے تھا اک طوطا پالا — پیارا پیارا بھولا بھالا
باتیں فر فر کرتا تھا — گھر بھر اس پر مرتا تھا
زیادہ پیار جو اس پر ٹوٹا — اک دن ہم کو بھی کیا سوجھا
طوطے کو انگریز بنائیں — یعنی انگلش اسے پڑھائیں
ٹیوٹر بھی اک ڈھونڈھ نکالا — ٹیوشن جس نے اسے پڑھایا
کچھ ہی دن میں مٹھو اپنا — انگلش ساری پڑھ بیٹھا
اک دن بولے ٹیچر اس سے — لیتا ہوں میں رخصت تم سے
لٹ می گو 'او' جینٹل مین — یو آر این انگلش مین
بول کے انگلش تم دکھلاؤ — کیا سیکھا ہے سب کو بتاؤ
طوطا بولا ! پیارے ٹیچر — حکم تمہارا سر آنکھوں پر
رکھوں گا میں مان تمہارا — مجھ پر ہے احسان تمہارا
لیکن میں ہوں اردو والا — انگلش سے کیا میرا پالا
اردو مجھ کو بھاتی ہے — ادب آداب سکھاتی ہے
اردو ہے تہذیب ہماری — اردو سارے جگ کی نیاری
ریت نہ اپنی چھوڑوں گا — ٹانگ نہ انگلش کی توڑوں گا
باتوں میں موتی رولوں گا — میں تو اردو بولوں گا

جگنو بھائی

جاوید اکرم، لکھنؤ

جگنو بھائی ، جگنو بھائی
کیسی تم نے جوت جگائی
دن میں کہاں چھپ جاتے ہو
بس راتوں کو آتے ہو
نیچے آؤ ، نیچے آؤ
تم بھی ہم میں گھل مل جاؤ
ننھے منے بچے ہیں
ہم سب من کے سچے ہیں

سب ہمجولی کھیلیں گے
آنکھ مچولی کھیلیں گے
تم بھی ہمارے دوست بنو
کھیلو کودو ، ساتھ رہو
گلیوں گلیوں گھومیں گے
مستی میں ہم جھومیں گے
تم بھی جگ مگ کرتے ہو
دل خوشیوں سے بھرتے ہو
ہم بھی آنکھ کے تارے ہیں
سب کے راج دلارے ہیں
تم بھی دل کے سچے ہو
ہم جیسے ہی بچے ہو
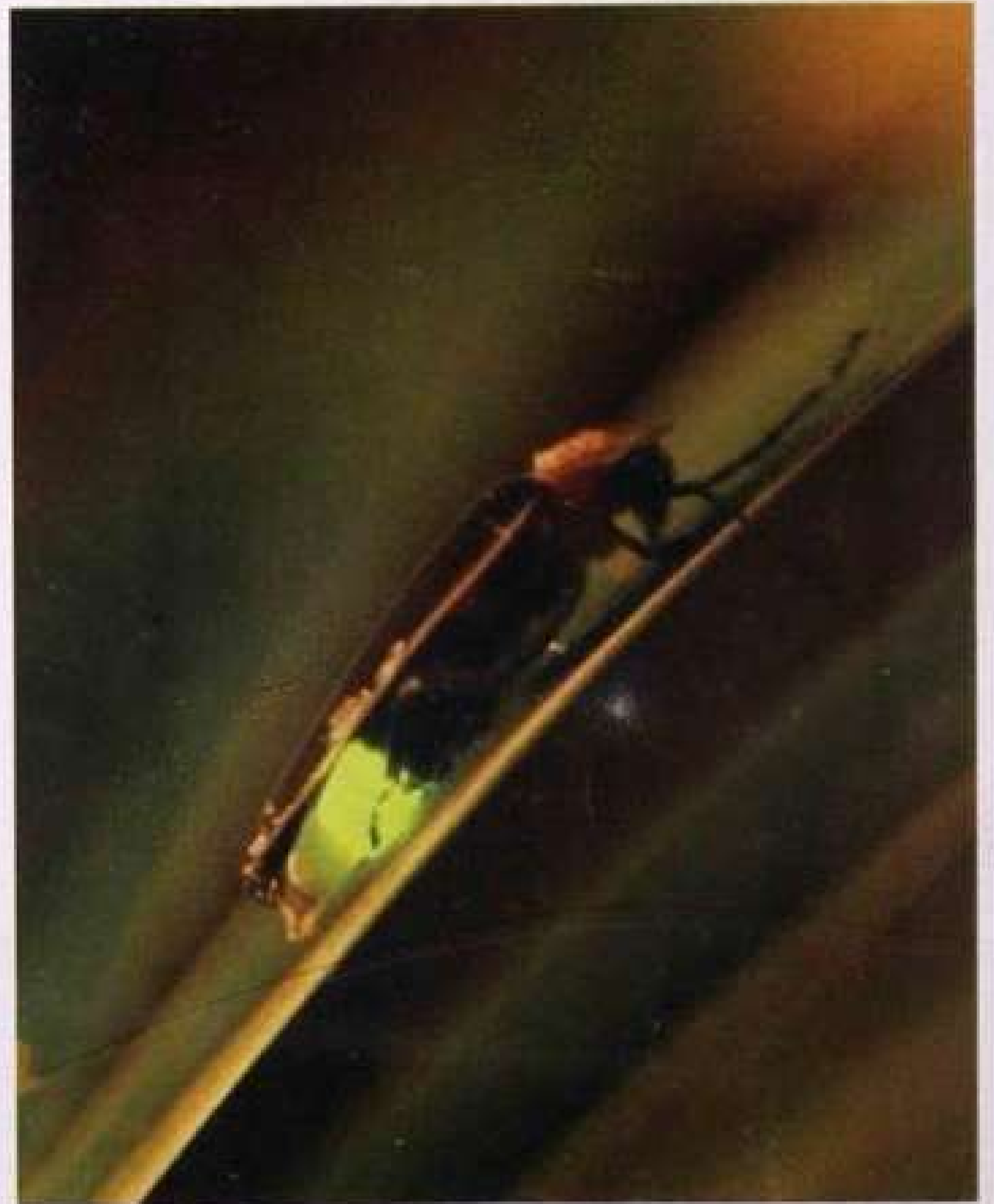
شرارت

نثار عباسی الہ آباد

شرارت کی میاں پپو نے ایسی
کہ ڈیڈی نے پٹائی ان کی کردی
وہ ماں کے پاس پہنچے منہ بسورے
کہا ان سے بڑی سنجیدگی سے
ہمیں ڈیڈی نے کیوں مارا بتائیں
ضروری ہے کہ بچے مار کھائیں
کہا ممی نے سن کر بات ان کی
شرارت کی سزا ہے سب کو ملتی

یہ ممی آپ نے اچھی سُنائی
شرارت کی سزا ہے بس پٹائی
تو ممی کیا ہمارے داد ابا
جب آتا تھا یونہی ان کو بھی غصہ
کیا کرتے تھے ڈیڈی کی پٹائی
جو لڑتے کھیل میں تھے بھائی بھائی
کہا پپو نے کچھ ایسی ادا سے
کہ پیٹوں میں پڑے بل ہنستے ہنستے
کہا ممی نے یہ پپو میاں سے
یہ پوچھو جا کے تم ابو میاں سے
مگر اک بات میں تم کو جتاؤں
حقیقت کیا ہے میں تم کو بتاؤں
شرارت میں جو ہوتی ہے حرارت
اتر جاتی ہے ہوتے ہی مرمت

ڈر

خلیق الزماں نصرت بھونڈی

بات ہماری غور سے سننا
سن کر جگ سے کہہ دینا
اس دھرتی سے امبر تک
جھرنے جھیل سے ساگر تک
میدانوں کے دامن سے
اونچے پربت کے سر تک
بھوت ہے کیا جنات ہے کیا
ظالم کالی رات ہے کیا

ہم ہیں آدم کی اولاد
شیطان کی اوقات ہے کیا
بستی بستی جنگل ہے
اور جنگل میں جنگل ہے
خطروں سے گھبرانا کیا
جیون خود اک دنگل ہے
گھر سے باہر ڈر کو کرو
سکھ سے جیو اور سکھ سے مرو
بول ہمارے ہیں اچھے نا
نظم کا مطلب سمجھے نا

بچپن

طلعت انجم فخر، آسنسول

بچپن کے کیا پیارے دن تھے
اچھے اچھے نیارے دن تھے
کاش! کوئی لوٹا دے مجھکو
بچپن کے اجیارے دن تھے

سیر سپاٹے دھوم دھڑا کے
گلی گلی میں ہنسی ٹھہا کے
مستی کے وہ سارے دن تھے
کاش! کوئی لوٹا دے مجھکو

ممی نے بھی ڈانٹ پلائی
پاپا سے پھر ہوئی پٹائی
کلّو انکل نے کہہ ڈالا
بھیا یہ کھاتی ہے کھٹائی

پھر دوڑی میں دادو تک
لینے پیسے اور مٹھائی
ہائے کہاں اب ڈھونڈوں ان کو
دادو کے جو دلارے دن تھے
کاش! کوئی لوٹا دے مجھکو

بیگ اٹھائے مکتب پہنچی
حافظ جی کو سبق سنایا
حافظ جی نے خوش ہو کر پھر
ابّو کو مکتب میں بلایا۔

واہ بھئی کیا خوب ہے قسمت
بیٹی ہے یہ آپ کی طلعت
کیا پڑھتی ہے کیا لکھتی ہے
اوپر سے مخرج بھی اعلیٰ
مجھ کو ہے پر جوش یقیں یہ
انجم بن کر دے گی اجالا
اعلیٰ حضرت کے یہ کلمے
سن کر ابو جی مسکائے
مجھکو اپنی گود میں تھامے
شفقت سے وہ گھر تک لائے

گھر آتے ہی امی جان سے
کہہ ڈالیں وہ ساری باتیں
کافی خوش تھیں سُن کر امی
حافظ جی کی پیاری باتیں
امی نے پھر لے لیں بلائیں
دیں دادو، دادی نے دعائیں
مجھ کو ہے یہ فخر کہ میں نے
خوب مزے سے گزارے دن تھے

کاش! کوئی لوٹا دے مجھکو
بچپن کے اجیارے دن تھے

ناموں کی تلاش سلسلہ (۱) ترکاریاں

نمونہ کا لفظ گھرا ہوا دکھایا گیا ہے

چ	ظ	پ	گ	ب	خ	ص	ک	ج	ے
پ	و	د	ی	ن	ہ	ط	ف	ش	پ
ا	م	ب	ا	ٹ	د	ن	س	ز	گ
ل	ت	ہ	م	ا	ھ	چ	ڈ	ر	ن
ک	ض	ا	پ	ح	ن	ق	ٹ	ی	و
ڈ	ٹ	و	ر	ب	ے	ن	گ	ن	ی
ر	غ	ہ	و	ن	ا	د	خ	د	ٹ
چ	و	ی	ل	ا	د	ر	ک	ہ	ل
و	ک	ٹ	ع	ل	چ	م	ڈ	ٹ	پ
ن	م	خ	م	و	ل	ی	ا	گ	ا

ہدایات: دیئے گئے چوخانوں میں دس ترکاریوں کے نام پوشیدہ کئے گئے ہیں۔ آپ کو اوپر سے نیچے، دائیں سے بائیں اور (اوپر سے نیچے) ترچھے خانوں میں ایسے حروف کی نشاندہی کرنا ہے جن کو آپس میں جوڑنے پر کسی ترکاری کا نام بن جاتا ہے۔ نمونہ کا لفظ گھرا ہوا دکھایا گیا ہے۔ ایک حرف دو ناموں میں مشترک ہوسکتا ہے۔ سبزیوں کے ناموں کو نیچے دیئے گئے کوپن میں صاف خوشخط بھر کر روانہ کریں۔ ۱۵ر فروری ۲۰۱۹ء تک بذریعہ ڈاک یا دستی وصول ہوئے صحیح حلوں میں قرعہ اندازی کے ذریعہ تین خوش نصیب افراد کو سو روپیہ قیمت کی کتابیں بذریعہ رجسٹر ڈاک روانہ کی جائیں گی۔ آپ کوپن کو اپنی تحریر میں بھریں گے۔ کسی دوسرے سے کوپن کے اندراج کی صورت میں آپ انعام کے مستحق نہ ہوں گے۔ صحیح حل تیسرے ماہ کے شمارہ میں پیش کیا جائے گا اور اسی میں انعامات پانے والوں کے نام و پتہ دیئے جائیں گے۔ اس مقابلہ کے شرکاء کی عمر بیس برس سے کم ہونی چاہئے۔ نیچے دیا گیا کوپن اپنے کسی استاد کی موجودگی میں بھر کر اُن سے تصدیق کرائیں یعنی اُن سے دستخط کرائیں۔

- -

مکمل نام .... عمر ....

مکمل پتہ ....

.... پن کوڈ ....

اُستاد کے دستخط .... موبائل نمبر ....

جوابات: ناموں کی تلاش سلسلہ (۱)

(۱)............ (۲)............ (۳)............ (۴)............ (۵)............

(۶)............ (۷)............ (۸)............ (۹)............ (۱۰)............

یوپی اردو اکادمی میں جنرل نالج انعامی کوئز مقابلہ (اُردو)

General Knowledge Quiz Competition (Urdu)

نوجوان نسل کی اُردو استعداد اور معلومات عامہ میں بہتری لانے نیز عصری تعلیم گاہوں میں اُردو تدریس کے معیار کو بلند کرنے کی غرض سے درجہ آٹھ تا بارہ یعنی ۱۵؍تا ۱۸؍برس کے طلباء وطالبات کے لئے اتر پردیش اُردو اکادمی میں ۲۷؍دسمبر ۲۰۱۸ء کو ایک انعامی کوئز مقابلہ کا انعقاد ہوا۔ اس کوئز مقابلہ میں ہندوستان کی تاریخ، جغرافیہ اور تمدّن وغیرہ سے متعلق ہلکے پھلکے ۲۵؍سوالات اُردو میں پوچھے گئے جن کے مختصر جوابات بھی اُردو میں تحریر کرنا تھے۔ مذکورہ کوئز مقابلہ میں کم ازکم پچاس فیصد (۵۰٪) نمبرات حاصل کرنے پر سرٹیفکیٹ اور اوّل (۷۵٪ فیصد سے زائد نمبرات) دوم (۶۰٪ سے زائد نمبرات) اور سوم (۶۰٪ سے کم نمبرات) مقام حاصل کرنے والے تین طلباء کو بالترتیب پانچ ہزار، چار ہزار اور تین ہزار روپے نقد انعامات سے نوازا گیا۔

اوّل	سید عرش علی، یونٹی کالج لکھنؤ۔	80%............ Rs. 5000/-
دوم	فاطمہ حسینی، الھدیٰ ماڈل کالج لکھنؤ۔	64%............ Rs. 4000/-
سوم	زینت جنید، الھدیٰ ماڈل کالج لکھنؤ۔	62%............ Rs. 3000/-

مذکورہ مقابلہ میں پوچھے گئے چند سوالات درجِ ذیل ہیں: **جوابات**

- اس مٹھائی کا نام بتائیں جس کے پانچ حرفی نام میں رس اور پھول دونوں شامل ہیں۔ — رس گلا
- ہمارے جسم میں وہ کون سا اہم عضو ہے جس کے نام میں ''عمدہ'' کے تمام حروف شامل ہیں اور اُس عضو کے عمدہ کام کرنے سے آدمی بڑا صحت مند رہتا ہے۔ — معدہ
- یونیورسٹی بننے سے قبل لکھنؤ یونیورسٹی کس نام سے مشہور تھی؟ — کیننگ کالج
- شہزادہ خرم کے چودہ بچوں کی ماں ممتاز محل کا اصل نام کیا تھا۔ — ارجمند بانو
- مُلک کے اس وزیر اعظم کا نام بتائیں جو وزیر اعظم رہتے ہوئے ۱۹۶۴ء میں انتقال کر گیا تھا۔ — جواہر لعل نہرو
- سپریم کورٹ کو اُردو میں کیا کہتے ہیں؟ — عدالت عظمیٰ
- ''راجکماری امرت کور سر کے بالوں کو شکا کائی سے دھوتی ہیں''۔ اس جملے کی مدد سے اس شہر کا نام بتائیں جو سکھوں کے لئے بیحد مقدس ہے۔ — امرت سر

مٹن کری

درخشید ربانی، لکھنؤ

سامان :

بکرے کا گوشت: آدھا کلو

کٹے ہوئے ٹماٹر اور کٹی ہوئی پیاز

ہر ایک ۱۰۰ گرام (تین عدد چھوٹی سائز)

لہسن اور ادرک پیسٹ: ۵۰ گرام (ایک بڑا چمچہ)

کالی مرچ (مسلّم): ایک گرام (۸ تا ۱۰ / عدد)

تیز پتا: ایک گرام (۳-۴ عدد)

دار چینی: پانچ گرام (دو تین چھوٹی شاخیں)

کالی مرچ (پسی ہوئی)، دھنیا (مسلّم)

سونف، زیرہ اور خشخاش

پسی ہوئی سرخ مرچ

پسی ہوئی ہلدی

ہر ایک ایک چھوٹا چمچہ

لونگ و چھوٹی الائچی: ہر ایک ۳/ تا ۴/ عدد

باریک کٹا ہرا دھنیا: بقدر ضرورت

نمک: " "

پانی: دو عدد چائے کی پیالی

رفائنڈ آئل: پانچ چھ عدد بڑے چمچے

طریقہ تیاری : گوشت، ہلدی، نمک اور پانی کو دیگچی میں ڈال کر اتنا پکائیں کہ گوشت تقریباً گل جائے۔ کرچھل سے گوشت کی بوٹیوں کو نکال کر علیحدہ رکھ لیں۔ مسلّم کالی مرچ، مسلّم دھنیا، زیرہ، خشخاش، لونگ، الائچی اور سونف کو ایک توے پر بھون کر پیس لیں۔ ایک سوکھی دیگچی میں رفائنڈ آئل گرم کر کے تیز پتا اور دار چینی ڈال کر تلیں اور لہسن و ادرک کا پیسٹ اور کٹی ہوئی پیاز ڈال کر پیاز کے سرخ ہونے تک بھونیں۔ اب گوشت کی بوٹیاں، پسی ہوئی سرخ و کالی مرچ اور کٹے ہوئے ٹماٹر ڈال کر اتنا پکائیں کہ ٹماٹر گل جائیں۔ اب اس میں یخنی (گوشت کی بوٹیاں اور اُن کا رس)، پسا ہوا مصالحہ اور ہرا دھنیا شامل کر کے تھوڑی دیر جوش دیں اور ڈش میں نکال کر دستر خوان پر سجائیں۔

انعامی شعری پہیلیاں سلسلہ (۱)

ھدایات: درج ذیل اشعار کو ہر شعر کے نیچے دیے گئے اشارہ کی مدد سے مکمل کرنا ہے۔ اپنے جوابات اور نام، پتہ وغیرہ دیے گئے کوپن میں صاف، خوشخط لکھ کر اور اپنے کسی استاد سے تصدیق کرانے کے بعد ''ایڈیٹر، باغیچہ ماہنامہ، اتر پردیش اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ-226010'' کو پوسٹ کریں۔ ۱۵؍فروری ۲۰۱۹ء تک موصول ہوئے صحیح جوابات والے حلوں کو قرعہ اندازی میں شامل کیا جائے گا اور تین صاحبان کو سو روپیہ قیمت کی بچّوں کی کتابیں روانہ کی جائیں گی اس سلسلہ کے نتائج کے لیے تیسرے ماہ کا شمارہ دیکھیں۔

(۱) رات گزری نور کا تڑکا ہوا
ہوشیار اسکول کا .... ہوا

اشارہ: یہ لڑکا اپنے ماں باپ کا کہنا مانتا ہے۔

(۲) بگڑتی ہے جس وقت .... کی نیت
نہیں کام آتی دلیل اور حجت

اشارہ: اللہ تعالیٰ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دیتا ہے۔

(۳) ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی .... چلتی نہیں

اشارہ: اسد صاحب کے نام میں آئے الف کی جگہ بدل دیں۔

(۴) ملے .... روٹی جو آزاد رہ کر
تو وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

اشارہ: ماں نے کہا ''بیٹی روٹی کو ڈھک کر رکھو ورنہ وہ خشک ہو جائے گی۔

(۵) بد کی صحبت میں مت بیٹھو بد کا ہے انجام برا
بد نہ بنے تو بد کہلائے، بد اچھا......... بُرا

اشارہ: یہ لڑکا بڑا بد تمیز ہے۔ اسی لیے پورے اسکول میں بدنام ہے۔

(۶) چُھری کا تیر کا .... کا تو گھاؤ بھرا
لگا جو زخم زباں کا رہا ہمیشہ ہرا

اشارہ: پرانے زمانے میں لڑائی میں تیر اور تلوار استعمال ہوتے تھے۔

(۷) جو ہو جائے خطا کوئی کہ آخر آدمی ہو تم
تو جتنا جلد ممکن ہو کرو اس کا......... اچھا

اشارہ: کیا آپ نے بغیر 'الف' والا 'بادل' دیکھا ہے؟

(۸) اُس سے......... میں نہیں کوئی زیادہ بدبخت
جو نہ دانا ہو نہ داناؤں کا مانے کہنا

اشارہ: جو اس دنیا میں عقلمند لوگوں کے مشورہ پر عمل نہیں کرتا وہ ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔

(۹) ادب سے ہی انسان ، انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ .... ہے
اشارہ: جانور کو حیوان بھی کہتے ہیں۔

(۱۰) بٹھائے نہیں .... کو قریب
یہ سچ بات ہے، بے ادب بے نصیب
اشارہ: دوسرے مصرعہ کو تین مرتبہ پڑھیں۔

- - - - - ✂ - - - - - ✂ - - - - - ✂ - - - - -

مکمل نام .... عمر ....

مکمل پتہ ....

.... پن کوڈ ....

اُستاد کے دستخط .... موبائل نمبر ....

جوابات: انعامی شعری پہیلیاں سلسلہ (۱)

(۱)........... (۲)........... (۳)........... (۴)........... (۵)...........

(۶)........... (۷)........... (۸)........... (۹)........... (۱۰)...........

- - - - - ✂ - - - - - ✂ - - - - - ✂ - - - - -

رباعیات

شاہ حسین نہری، اورنگ آباد

بچّوں کا رسالہ آیا "باغیچہ"
رنگِ اردو کی شیرینی خوشبو
پیارا یہ رسالہ اپنا ہے عمدہ
تعلیم و تہذیب کا ہے گلدستہ

بچّوں کا باغیچہ سجا ہے ہر سو
ہیں پھول نصیحت کے بھی گوشہ گوشہ
ہے نیک خیالات کی پیاری خوشبو
جادو سی ورق ورق سماتی اردو

پڑھنے کا ہے وقت تو پڑھنا اچھا
لازم ہے کھیل کود ورزش بھی کچھ
اپنے گھر کے کام بھی کرتے رہنا
رکھنا ہر دم خیال بھی صحت کا

سمجھداری کا پیمانہ

نیچے دی گئی تصویر میں ایک دائرہ میں سوالیہ نشان دکھایا گیا ہے۔ آپ کو اس دائرہ میں مناسب عدد لکھ کر اس کو مکمل کرنا ہے۔ اگر آپ صحیح عدد تلاش کرنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگاتے تو خود کو انتہائی سمجھدار زمرہ میں شمار کر سکتے ہیں۔ دو منٹ سے جس قدر زیادہ وقفہ لیں گے اسی لحاظ سے سمجھداری میں کمی کہی جائے گی۔
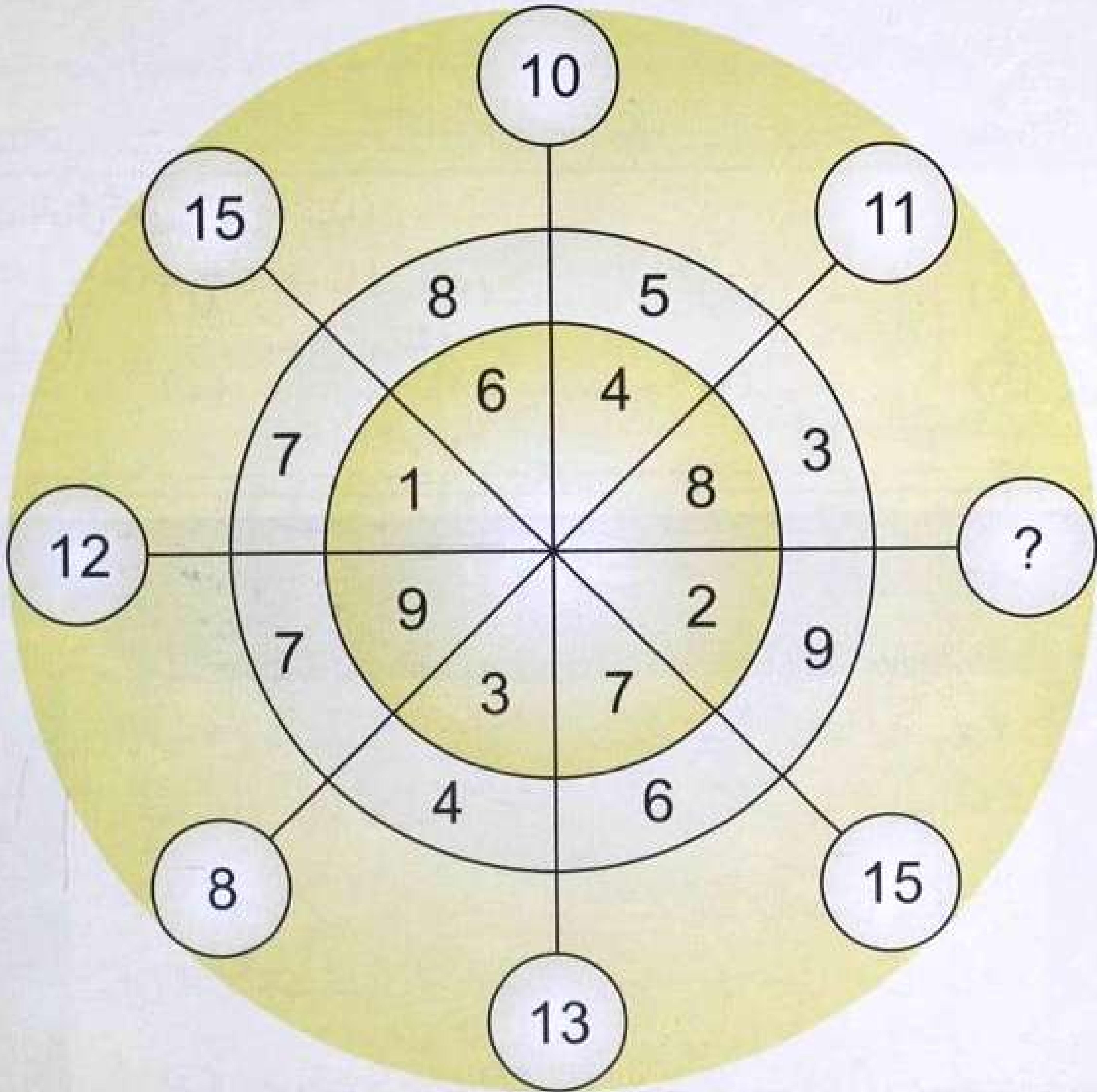
نوٹ: اس پہیلی کے جواب کے لئے اگلے ماہ کا شمارہ دیکھیں۔

پھلجھڑیاں

- **استاد:** 'ناک میں دم کرنا' کو جملے میں استعمال کریں۔
شاگرد: عتیق کو سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی، مولوی صاحب نے دعا پڑھ کر ناک میں دم کر دیا۔

- **تھانیدار:** تم نے بڑی صفائی اور ہوشیاری سے صاحب کا بٹوا اڑایا ہے۔
چور: ''حضور کا کس منھ سے شکریہ ادا کروں۔ زندگی میں پہلی بار آپ نے میرے فن کی تعریف کی ہے۔''

- **سلمان:** ''عمران تم نے امتحان کی تیاری اچھی طرح کر لی؟''
عمران: ''ہاں! ایک نیا قلم خریدا ہے، ایک جوڑی نئے کپڑے سلوائے ہیں اور نیا جوتا بھی خریدا ہے۔''

- ایک مریض نے ڈاکٹر سے اپنا حال اس طرح بیان کیا۔ ''آج صبح سے آوٹ گوئنگ بالکل فری ہے۔ طرح طرح کی رنگ ٹونس (ring tones) بج رہی ہیں۔ جو کچھ لوڈ کرتا ہوں سب ذرا سی دیر میں ختم ہو جاتا۔ کچھ بیلنس نہیں بچتا۔'' ڈاکٹر نے مسکرا کر دوا دی اور کہا۔ ''اسے لوڈ کر لیں۔ آپ کا سم بلاک ہو جائے گا۔''

- ایک گاؤں میں آگ لگ گئی تھی اور بہت نقصان ہوا تھا۔ ایک سیاسی لیڈر ہمدردی جتانے گئے اور پردھان سے پوچھا ''کچھ بچا بھی یا سب جل گیا۔'' پردھان تو پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا۔ جواب دیا کہ ''آگ بجھانے والی موٹر بچ گئی ہے باقی تمام سامان جل گیا۔''

- ایک حساب پڑھانے والے پروفیسر صاحب کسی فارمولے کا حل سوچتے ہوئے اپنی چھڑی لے کر گھر میں داخل ہوئے اور بیڈ روم میں چلے گئے۔ اُن کا ملازم پانی کا گلاس لے کر کمرے میں گیا تو پروفیسر صاحب نظر نہ آئے البتہ بستر پر چھڑی کو لیٹا ہوا دیکھا۔ جب اس نے کواڑ کے پیچھے جھانکا تو پروفیسر صاحب کو وہاں کھڑا پایا جہاں روزانہ وہ چھڑی کو کھڑا کرتے تھے۔

- ایک شخص لکھنؤ میں اپنے دوست کے گھر مہمان ہوا تو دوست نے پوچھا آپ کے لئے بھنڈی صاحبہ کا سالن پکواؤں یا بینگن شریف کا۔ اس شخص نے کہا ''بھائی میں اس قدر شرافت کے قابل نہیں ہوں۔ آپ تو میرے لئے کسی آوارہ پھرنے والے مرغ کا سالن پکوا دیں۔''

- ایک صاحب اپنے ڈرائیور کے ساتھ موٹر کار میں سفر کر رہے تھے۔ انھوں نے یکا یک پوچھا۔ ''کیا تم ایک ہاتھ سے ڈرائیو کر سکتے ہو''؟
ڈرائیور: 'جی! بالکل'۔
مالک: تو ایسا کرو کہ دوسرے ہاتھ سے اپنی ناک صاف کر لو۔

- ایک مرغی روز انڈا دیتی تھی۔ ایک دن اس نے ناغہ کیا تو مالکن نے ملازمہ سے پوچھا ''آج والا انڈا کیا ہوا''۔ ملازمہ نے جواب دیا۔ ''آج اتوار ہے لہٰذا مرغی نے چھٹی منالی''۔

- فزکس پڑھانے والے استاد نے شاگرد سے سوال کیا۔ ''فرض کرو کہ میں نے سوئچ آن کیا اور پنکھا نہیں چلا تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' شاگرد نے جواب دیا۔ ''سر آپ نے بجلی کا بل ادا نہیں کیا اور بجلی والوں نے آپ کا کنکشن کاٹ دیا ہے۔''

انعامی ادبی معمّہ نمبر۱

اشارے:

	۷	۶	☆	۵	۴	☆	۳	۲	۱
☆	۷		۱۰			۹		۸	☆
۱۳			۱۲	☆	☆				۱۱
	۱۶	☆				۱۵	☆		۱۴
		۲۰	۱۹	☆	☆		۱۸		۱۷
	☆		۲۲	☆	☆		۲۱	☆	
	۲۶	☆				۲۵	☆	۲۴	۲۳
☆		۳۰	۲۹	☆	☆		۲۸	۲۷	☆
۳۴				۳۳	۳۲				۳۱
۳۴		۳۷	☆		۳۶	☆			۳۵

دائیں سے بائیں: (۱) ہار جانا (۴) آگ سے بنی مخلوق (۶) بہت خیرات کرنے والا (۸) سارے جہاں سے اچھا ...... ہمارا (۱۱) والد کی والدہ (۱۲) ایک اسلامی نام (۱۴) دوڑنا (انگریزی) (۱۵) نشہ، انٹرنیٹ کی ایک اصطلاح (۱۶) بھیڑ (انگریزی) (۱۷) مسواک (۱۹) دل سے کسی بات کو صحیح ماننا (۲۱) جس بات میں شبہ ہو (۲۲) مُڑا ہوا ہونا (۲۳) ہونٹ (۲۵) بسا ہوا (۲۶) صابن کی ایک مشہور برانڈ (۲۷) کپڑوں پر سفیدی لانے والا پاؤڈر یا محلول (۲۹) والد (۳۱) بات یاد نہیں (۳۵) پہاڑ (۳۶) خون کی نالی (۳۷) مہربانی

اوپر سے نیچے: (۲) بے عزّتی (۳) تیز (۴) ایک اناج (۵) جسم کے اندر خون کی نالی (۶) بیوی یا شوہر کی والدہ (۷) خنجر سے تعلق رکھنے والی چیز (۹) ملک سے باہر نکال دینا (۱۰) تاریخ یعنی ہسٹری جاننے والا (۱۱) ...... کے واسطے پیدا کیا انسان کو (۱۳) گالی (۱۸) زہر (ہندی) (۲۰) کھڑا ہو جا (عربی) ،قلم کے دو حروف (۲۴) بگڑی چیز کو دُرست کرنا (۲۶) تار (انگریزی) (۲۸) دہی کے بے ترتیب حروف (۳۰) صحیح راستہ یا بات کو چھوڑ دینا (۳۱) ایک کا بدل (فارسی) (۳۲) جسم (۳۳) امید (۳۴) گیلا

ہدایات:

(۱) معمہ بھرنے میں نون غنہ 'ں' کو 'ن' کے مانند تصور کیا جائے۔ 'آ' اور 'الف' میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔ تشدید والے حرف کو ایک ہی حرف مانا جائے۔ ہمزہ ی اور ے ایک جیسے حرف مانے جائیں گے۔
خاموش حروف جو لکھنے میں آتے ہیں ان کو شامل کرنا ضروری ہے۔ جیسے 'بالکل' میں 'الف'۔

(۲) انعامی مقابلہ میں شرکت کے لئے معمہ کو صاف ستھرا بھر کر نیچے دیئے گئے کوپن کے ہمراہ بھیجنا ہوگا۔ شرکاء کی عمر بیس (۲۰) برس سے کم ہونا چاہئے۔

(۳) ۱۵؍فروری ۲۰۱۹ء تک موصول ہوئے معمہ ہی قابل قبول ہوں گے۔

(۴) صحیح پائے گئے حلوں میں قرعہ اندازی کے ذریعہ تین افراد کو انعام کے لئے منتخب کیا جائے گا اور اُن کو انعام کی ادائیگی دو میں سے کسی ایک طریقہ سے کی جائے گی۔ انعام پانے والے نے کوپن پر اپنے کسی دوست کا نام اور پتہ درج کیا ہے تو اس کو سال بھر تک باغیچہ کے شمارے روانہ کئے جائیں گے۔ انعام کی دوسری شکل یہ ہے کہ انعام کے مستحق شخص کو سو روپیہ قیمت کی کتابیں بذریعہ ڈاک روانہ کی جائیں گی۔

(۵) قرعہ اندازی کے بعد انعام پانے والوں کے نام تیسرے ماہ کے شمارہ میں شائع ہوں گے۔

- -

کوپن انعامی ادبی معمّہ (۱)

(الف) اپنے کسی دوست یا عزیز کا مکمل نام و پتہ

نام و پتہ مع پن کوڈ...

....

....

موبائل نمبر...

(ب) اپنا نام عمر اور مکمل پتہ

نام............................ عمر............ برس

پتہ مع پن کوڈ...

....

موبائل نمبر...

صحیح فیصلہ کرنے میں ہم آپ کی مدد چاہتے ہیں:

ہمارے ملنے والے ایک پروفیسر صاحب ہر سوال کا جواب فلسفیانہ انداز سے دیتے ہیں۔ ایک دن جب ہم نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کی چار بیٹیوں میں کون سی چھوٹی ہے اور کون بڑی تو انہوں نے فرمایا کہ اُن کی عمر اُن کے قد کے لحاظ سے ہی ہے۔ سارہ کا قد ثانیہ کے قد سے نکلتا ہوا ہے لیکن ساجدہ سے کم ہے جبکہ حمیرہ کا قد ثانیہ سے خاصہ چھوٹا ہے۔ اُن کے جواب سے ہم اُلجھن میں پڑ گئے۔ صحیح فیصلہ کرنے میں آپ ہماری مدد کریں۔

دلچسپ معلومات

◆ کھانے کے نمک کا سائنسی نام سوڈیم کلورائڈ (Sodium Chloride) ہے کیونکہ یہ سوڈیم نام کی دھات اور کلورین نام کی گیس سے مل کر بنا ہے۔ سوڈیم ایک چمکدار اور نرم دھات ہے جو آسانی سے چھری سے کاٹی جا سکتی ہے۔ سوڈیم کا ٹکڑا پانی میں ڈالتے ہی ایک شعلہ پیدا کرتا ہوا پانی کی سطح پر اس وقت تک ناچتا رہتا ہے جب تک اس کا وجود ختم نہیں ہو جاتا۔ اسی لئے ہوا میں موجود نمی سے محفوظ رکھنے کے لئے سوڈیم کو مٹی کے تیل میں ڈبو کر بوتل میں بند کر کے رکھتے ہیں۔ لہٰذا سوڈیم کو کھانا تو در کنار چکھنا بھی ممکن نہیں۔ کلورین ایک ہرے پیلے رنگ کی ایسی خطرناک گیس ہے کہ انسان اس میں چند سکنڈ بھی سانس لے تو زندہ نہ بچے۔ چونکہ ہم اپنی غذا کو لذیذ بنانے کے لئے روزآنہ سوڈیم اور کلورین کا مرکب نمک کی شکل میں کھاتے ہیں اسی لئے کائنات کے خالق نے اپنی پاک کتاب میں یہ کہہ کر ہم کو اپنی ربوبیت سے آگاہ کیا ہے کہ ''تم ہماری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

◆ انسان بغیر کھانا کھائے کئی ہفتہ تک زندہ رہ سکتا ہے جبکہ بغیر پانی پیئے ایک ہفتہ زندہ رہنا بھی محال ہے۔ پانی آکسیجن اور ہائڈروجن نام کی گیسوں کا مرکب ہے۔ ہوا کی موجودگی میں ہائڈروجن ہلکی سی چنگاری سے جل اٹھتی ہے اور پانی وجود میں آتا ہے۔ ہمارے جسم میں کم و بیش ۷۱٪ فیصد پانی ہوتا ہے اور دنیا بھر میں قدرت نے ۷۱٪ فیصد پانی گلیشیر، سمندر، جھیل اور زمین کے نیچے پھیلا رکھا ہے۔

◆ انسان نے اب سے تین ہزار سال پہلے چاکلیٹ یا کوکو (Coco) کھانا شروع کیا تھا جبکہ اس نے لگ بھگ تین سو سال پہلے ٹماٹر کھانا شروع کیا۔ جرمنی کے لوگ سال بھر میں اوسطاً ۸۲ کلو فی کس کے حساب سے چاکلیٹ کھا جاتے ہیں جبکہ چین کے باشندے سال بھر میں فی کس صرف سو گرام چاکلیٹ کھاتے ہیں۔ ہم ہندوستانی چاکلیٹ کھانے کے معاملہ میں چین سے بہتر ہیں۔

◆ انسان کے جسم کے باہری حصّہ میں سب سے بڑا عضو کھال ہوتی ہے جبکہ اندرونی حصّہ میں سب سے لمبا عضو چھوٹی آنت ہے جس کی لمبائی لگ بھگ ۲۲ فٹ یا ۶ میٹر ہوتی ہے۔

◆ سونے کے دوران بھی ہمارے دماغ کا ایک حصّہ جاگتا رہتا ہے اسی لیے سونے کی حالت میں جب کوئی ہمارا نام لے کر پکارتا ہے تو ہم نیند سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی عمر کے مرد اور عورت میں مرد کے دماغ کا وزن زیادہ ہوتا ہے۔

ذہیب احمد خان (درجہ سوم) اسپرنگ ڈیل کالج، اندرانگر، لکھنؤ

محمد ریان اشرف (درجہ چہارم) مولانا آزاد ایجوکیشنل اکیڈمی، کھدرا، لکھنؤ

یہ تصویر ہم نے بنائی............

درخشاں خاتون (درجہ چہارم) الہدیٰ ماڈل کالج، تروینی نگر برانچ لکھنؤ

آصف نسیم (درجہ چہارم) الہدیٰ ماڈل اسکول، امین آباد برانچ لکھنؤ

نظر

(یہ کہانی ہم نے لکھی)

مرزا شائنہ بیگ
درجہ ۱۲، دلّی پبلک اسکول، لکھنؤ

یہ اس روز کی بات ہے جب آسمان کا رنگ نہ نیلا تھا اور نہ ہی سیاہ۔ مانو وہ ایک پانی کے کنستر میں تبدیل ہو گیا ہے، اور کسی نے کچھ سرخ رنگ کی بوندیں برسا دی ہیں۔ میں ایک مقابلہ جاتی امتحان سے فارغ ہو کر سڑک کے کنارے چائے کی دوکان پر اپنی گرما گرم چائے اور اس حسین نظارے کا لطف لے رہی تھی، دیکھتی ہوں کہ میری بس جسکی میں منتظر تھی وہ آپہنچی ہے۔ ایک آخری گھونٹ میں اپنی بچی کھچی چائے اور ٹیبل پر دس روپے کے ساتھ گلاس رکھ کر اپنی بس میں سوار ہو گئی۔ میں نے اپنی جگہ آگے کی کچھ سیٹوں کو چھوڑ کر چنی۔ میں اپنے بستے کو جواب تک میرے کندھے پر آرام کر رہا تھا بغل میں رکھ کر خود کھڑکی سے چپک کر بیٹھ گئی۔ بس چل دی۔ مگر ابھی بھی لوگ اپنی پسند کی جگہ دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں میں ایک لڑکی تھی، جو ٹھیک میرے سامنے تھی۔ وہ لڑکی جس کی ایک نظر نے میری ساری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ اسے دیکھ کر میں نے بیٹھنے کو کہا، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے اپنا بستہ اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ وہ میرے بغل میں بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں جو پیچھے جا کر بیٹھ گئیں۔ میں نے ہمت کر کے ایک بار پھر اس کی آنکھوں کو دیکھا ان میں بے پناہ کشش تھی، جاذبیت تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ آنکھیں کچھ کہنا چاہ رہی ہوں۔ کچھ اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ میں پورے راستے ان آنکھوں کے بارے میں سوچتی رہی کہ آخر کیا بات ہے جس نے اس کی آنکھوں کو اتنا حسین بنایا ہے۔ کیا ان آنکھوں سے دنیا بھی الگ لگتی ہے؟ ان سوالوں کے جواب نہیں تھے میرے پاس۔

میں ان باتوں پر مستقل غور کرتی رہی۔ اتنے میں بس ایک جھٹکے سے رکی، اور اسی کے ساتھ میرے سارے خیالات بھی تھم گئے۔ میں اپنی کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھتی ہوں، مجھے میرا وہی آسمان دکھائی دیتا ہے جس کا سرخ رنگ نہ زیادہ تیز اور نہ پھیکا تھا۔ وہ رنگ اب غائب تھا۔ اتنے میں میں دیکھتی ہوں کہ بغل میں بیٹھی ہوئی لڑکی کچھ جنبش کرتی ہے۔ میں سمجھ جاتی ہوں کہ اب اسے اور اس کی آنکھوں کو الوداع کہنے کا وقت آگیا ہے۔ اس کی والدہ پیچھے سے آکر چلنے کو کہتی ہیں۔ اور پکڑ کر اٹھانے لگتی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں پوچھتی ہوں کیا یہ بیمار ہیں؟ اس خاتون کے جواب نے میرے ہر سوال کا جواب دے دیا۔ ”جی نہیں، یہ دیکھ نہیں سکتیں۔“ یہ سن کر میرے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ اب میرے سوالوں کے جواب تھے میرے پاس، پھر بھی میں مطمئن نہیں تھی۔

مجھے یک لخت خیال ہوا کہ شاید اسی لیے وہ آنکھیں اتنی خوبصورت اتنی حسین، اتنی دلکش اور جاذب تھیں کہ انھوں نے اس خوبصورت دنیا کی بدصورتی نہیں دیکھی تھی۔

آج بھی ان آنکھوں کی پاکیزگی میرا پیچھا کرتی ہے اور آج بھی وہ خیالات میری آنکھوں کے سامنے سوالیہ نشان ہیں۔

بڑوں نے باغیچہ دیکھا

◆ محترمہ آصفہ زمانی صاحبہ!.........تسلیمات

یہ جان کر بیحد مسرت ہوئی کہ آپ کی سرپرستی میں اترپردیش اُردو اکادمی آٹھ سے اسی برس کے بچوں کے لئے عنقریب ''باغیچہ'' نام سے ایک معیاری ماہنامہ شائع کرانے جارہی ہے۔ آپ نے اس باغیچہ کی تزئین کاری کے لئے ایسے ماہر کیمیا سائنسداں شمیم صدیقی کا انتخاب کیا ہے جس کی اُردو دوستی اور فعالیت کو ہم عرصے سے دیکھتے آرہے ہیں۔ قوی امید ہے کہ اس جریدے کے نثری اور شعری گُل بوٹوں اور دیگر مشمولات کے ذریعہ نہ صرف ہمارے صوبہ کی نئی نسل میں اُردو زبان وادب سے شغف پیدا ہوگا بلکہ ملک اور بیرونِ ملک کے اردوداں طبقہ کو بھی بیحد فیض پہنچے گا۔ اس ماہنامہ کی اشاعت کیلئے آپ کو اور آپ کے تمام ادارتی ارکان کو پرخلوص مبارکباد۔

۲/دسمبر ۲۰۱۸ء پدم شری پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن

صدر ابنِ سینا اکیڈمی، علی گڑھ۔

◆ محترمی ایڈیٹر صاحب! سلام ورحمت

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن سے اللہ رب العزت دین وادب کی خدمت لے لے۔ موصول خبروں کے مطابق اترپردیش اردو اکادمی نے اپنی موجودہ چیرپرسن عزت مآب پروفیسر آصفہ زمانی صاحبہ کی نگرانی میں بچوں کا ایک ادبی رسالہ ''باغیچہ'' بہت جلد نکالنے کا عزم کیا ہے۔ اللہ اس عزم کو مزید جلا بخشے، آمین۔ موجودہ دور میں اردو زبان میں بچوں کے معیاری رسائل کی بہت کمی محسوس کی جارہی تھی، اکادمی کے مذکورہ اقدام سے بلاشک ایک طرف زبان وادب کو فروغ ملے گا تو دوسری طرف بچوں میں بھی زبان کے متعلق خاطر خواہ رجحان بڑھے گا جو انکی تعلیم وتربیت میں معاون اور کارآمد ثابت ہوگا۔ میں اترپردیش اردو اکادمی کی موجودہ چیرپرسن کے حوالے سے اس گراں قدر عزم کیلئے اکادمی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اسکی فلاح و بہبود کیلئے دعا کرتا ہوں اور اپنی بات ایک رباعی پر ختم کرتا ہوں:

رباعی: اک اچھی خبر تتلیوں، بھونروں کیلئے
ہرگز نہ وہ اب بھٹکیں گے پھولوں کیلئے
یو۔ پی۔ اردو اکادمی زندہ باد
'باغیچہ' نکالے گی جو بچوں کیلئے

نازپرتاپگڑھی، رائے بریلی

◆ محترم! سلام مسنون

اترپردیش اردو اکادمی لائق مبارکباد ہے، جس نے ادب اطفال پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے بچوں کا ماہانہ رسالہ نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس خبر کا یقیناً اردو حلقوں میں استقبال کیا جائے گا۔ بچے ملک اور قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر ہم اردو زبان کے روشن مستقبل کے لیے فکرمند ہیں تو آئندہ نسلوں کو اردو زبان کی طرف راغب کرنا ہی ہوگا۔ اور اس کام کے لئے یہ رسالہ بہت معاون ہوسکتا ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اردو زبان وادب کی انتہائی ممتاز ومحترم شخصیت پدم شری محترمہ آصفہ زمانی صاحبہ کی پرخلوص سرپرستی اور آپ کی باوقار ادارت میں یہ جریدہ اپنے مقاصد کی تکمیل کو پہنچے گا اور گلشن اطفال میں ایسے غنچے کھلائے گا جن کی مہک دیر تک اور دور تک محسوس کی جائے گی۔ ع ''اے پیکرگل کوشش پیہم کی جزا دیکھ''

مخلص: ڈاکٹر مجاہد فراز

سابق رکن اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ۔

اس شمارہ میں استعمال ہوئے مشکل الفاظ کے معنی

آلودگی : ماحول کی گندگی
(Pollution)
ادب نواز : ادب سے لگاؤ رکھنے والے
ارسال : بھیجنا، روانہ کرنا
اعزّہ : عزیز کی جمع، رشتہ دار
التماس : درخواست
بازیافت : تلاش میں پانا
بانی : بنانے والے (Founder)
باوقار : شان وشوکت والا
بلّوری : سفید پتھر کا
بوعلی سینا : ایک مشہور حکیم
بیضہ : انڈا
پوشیدہ : چھپا ہوا
تاثرات : تبصرہ، (Comments)
تخلیقات : بنائی ہوئی چیزیں
جولانی : امنگ سے بھرا ہوا
جیب خاص : پاکٹ منی
حدِ نظر : جہاں تک آنکھ دیکھے
حدودِ مملکت : مُلک کی سرحدیں
حساس : زیادہ محسوس کرنے والا۔
حُسنِ کاریگری : اچھی کاریگری
خاطر خواہ : اچھی طرح، خاصا زیادہ
خدارسیدہ : خدا سے ڈرنے والا، نیک بندہ
خوشنما : اچھا دکھائی دینے والا
خیر اندیش : بھلائی چاہنے والا
داد : تعریف
درس گاہ : اسکول، مدرسہ

دلکش : دل لبھانے والا
دلفریبی : دل کو لبھانے والا
رعیت : پبلک، رعایا
روبرُو : آمنے سامنے
روپوش : غائب ہونا
زاویہ : رُخ (Angle)
زحمت : تکلیف
زمرہ : قسم (Category)
سطورِ ذیل : نیچے کی سطریں
سیارچہ : Sattelite
سیارہ : Planet
سنگ تراش : پتھر تراشنے والا
شائق : شوقین
شگاف : سوراخ (Cut)
شورہ : نمک کی ایک قسم
صنف : قسم (Category)
ضرب : مار، چوٹ
ضیافت : خاطر مدارات
طرارہ : بڑی تیزی یا پھرتی سے
طویل : لمبا
ظلِ اللہ : اللہ کا سایہ، بادشاہ
عالم وجود : (Existance)
عزم : ہمت بھرا ارادہ
عش عش : بیحد تعریف
عظیم الشان : بڑی شان والا
فالودہ : ایک قسم کی سوئٹ ڈش
فریادرسی : فریاد پوری کرنا

فلاح و بہبود : بھلائی اور ترقی
قدرے ترمیم : تھوڑی تبدیلی
کمال صناعی : عمدہ بنانے کا ہُنر
کمربستہ : کمر کس کر کسی کام میں لگنا
گُل کاری : پھول سجانا
گلنار : سرخ پھول کی طرح
گوشۂ عافیت : سکون کا کونا
مادّی : material
مت : سمجھ بوجھ
محوِ حیرت : حیرت میں ڈوبنا
مذکورہ : جس کا ذکر ہوا
مسحور : جس پر سحر یا جادو ہوا
محصول : ٹیکس
مخرج : حرف کی ادائیگی
Pronounciation
مفادات : فائدہ کی جمع
منظورِ نظر : انتہائی پسندیدہ
نادرِ روزگار : شاہکار، عجیب وغریب
نازنین : خوبصورت لڑکی
ناظرین : دیکھنے والے
نکتہ دانی : باریک بات دیکھنا
نوادرات : Antiques
نیک سیرت : اچھے اخلاق وخوبیوں والا
وجہ تسمیہ : نام رکھنے کی وجہ
وسیع : پھیلا ہوا
وقفہ : ٹائم
ہرسُو : ہر طرف

باغیچۂ ہند کے گل بوٹے

محمد معظم ولد محمد مکرم، اورنگ آباد

افرح خان بنت اقبال خان، لکھنؤ

نورالسحر آمنہ بنت محمد نصراللہ، اورنگ آباد

حوریہ ناصر بنت ڈاکٹر ناصر امروہوی

محمد ریحان ولد محمد فاروق، لکھنؤ

محمد ابوذر ولد محمد شارق، لکھنؤ

یوپی اردو اکادمی ماہنامہ ''باغیچہ'' R.No. LKOURD/- उ० प्र० उर्दू अकादमी, ''बाग़ीचा'', मासिक
"BAGHEECHA",Monthly Magazine for Children, Vol. I, Issue 1, Jan. 2019
U.P. Urdu Academy, Vibhuti Khand, Gomtinagar, Lucknow-226010

جگن ناتھ آزاد

پیدائش: ۵/دسمبر ۱۹۱۸ء
وفات: ۲۴/جولائی ۲۰۰۴ء

کسانوں کا گیت

زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے　　قدم اپنا آگے بڑھاتے چلیں گے
تو مٹی سے سونا اُگاتے چلیں گے　　زمینوں پہ جب ہل چلاتے چلیں گے
نشاں بھوک کا ہم مٹاتے چلیں گے
زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے

کہیں باجرے سے بسائیں گے دنیا　　کہیں چاولوں سے سجائیں گے دنیا
جو ہے کال اس کی مٹائیں گے دنیا　　چنے کی کہیں ہم بنائیں گے دنیا
نشاں بھوک کا ہم مٹاتے چلیں گے
زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے

جہاں جانتا ہے کہ ہم ہیں جیالے　　نہیں کام کرنے سے ہم تھکنے والے
کہ ہیں ہم بڑی سخت محنت کے پالے　　اندھیرے کی دنیا میں ہم ہیں اُجالے
نشاں بھوک کا ہم مٹاتے چلیں گے
زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے

(ماخوذ: بچوں کی نظمیں، قومی اُردو کاؤنسل)

اردو زبان وادب کے شیدائی اور علامہ اقبال کے پرستار جگن ناتھ آزاد کی پیدائش اب سے سو سال قبل عیسیٰ خیل، میاں والی، پنجاب میں معروف شاعر تلوک چند محرومؔ کے گھر ہوئی تھی جو اب پاکستان میں ہے۔ وہ ہندوستانی تہذیبی اقدار، محبت اور یگانگت کے سچے علمبردار تھے۔ آپ نے زندگی بھر اپنے عمل اور قلم سے فرقہ واریت کی سخت مخالفت کی۔ آزاد ان خوش نصیب شاعروں اور ادیبوں میں رہے ہیں جنھیں اپنی زندگی میں ہی بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے اُردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ راولپنڈی سے بی۔ اے اور لاہور سے ایم۔ اے کرنے کے بعد ۲۳/برس کی عمر میں لاہور کے اُردو، روزنامہ 'جے ہند' اور انگریزی روزنامہ 'ٹریبیون' سے وابستہ ہوئے۔ مُلک کی تقسیم کے بعد جبکہ روزنامہ 'ملاپ' لاہور سے دہلی آگیا تھا اور آزاد کا گھرانہ بھی ہندوستان منتقل ہو گیا تھا انھوں نے پہلے 'ملاپ' کی ذمہ داری سنبھالی اور کچھ عرصہ بعد ۱۹۴۸ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ جموں کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سرپرست حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب آزاد کے بڑے مداح اور قائل تھے۔ جگن ناتھ آزاد نہ صرف ماہرِ اقبالیات تھے بلکہ اُردو شاعری، فلسفہ، تحقیق وتنقید اور صحافت میں اونچا مقام رکھتے تھے۔

آپ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں بیحد مقبول تھے۔ مُلک کی تقسیم کے بعد ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پاکستان سے جو قومی ترانہ نشر ہوا تھا وہ آزاد ہی کا لکھا ہوا تھا۔ آپ کم وبیش ۲۵/برس جموں یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر رہے۔ آپ نے ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کیں جن میں کئی صرف علامہ اقبال سے متعلق ہیں اور ایک کتاب ''بچو! آؤ گیت سنائیں'' میں بچوں کی نظمیں ہیں۔